ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

34

28 اگست تا 3 ستمبر 2012ء / 9 تا 15 شوال المکرّم 1433ھ

اس شمارے میں

عید کبھی رمضان سے پہلے نہیں آتی!

قبولِ حق ہیں فقط مردِ حر کی تکبیریں

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

ماہ شوال کی فضیلت

جمہوریت، اقبال کی نگاہ میں

اردو زبان اور کالے انگریز

رمضان، قرآن اور پاکستان

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

اسلام: انسان کی حقیقی آزادی کا اعلان

اسلام انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ وحدہٗ لاشریک کی بندگی میں لے آتا ہے۔ انسان اپنے پورے مفہوم کے ساتھ کبھی روئے زمین پر نہیں پایا گیا، مگر اُسی وقت جب اس نے اپنی گردن اور اپنی پوری زندگی سے انسانوں کی غلامی کا جوا اتار پھینکا اور اس کا ضمیر اور اعتقاد انسانی تسلط و استیلاء سے آزاد ہو گئے۔

اسلام ہی وہ دین ہے جو تشریع اور حاکمیت کے تمام اختیارات کو صرف اللہ کے لئے مانتا ہے اور اللہ کے بندوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں لے آتا ہے۔ انسانوں نے روئے زمین پر قانون سازی اور حاکمیت کے لئے جتنی ایسی تنظیمیں قائم کی ہیں جن میں زمام اختیار انسانوں کے سپرد کردی، درحقیقت انسانوں کی غلامی کی ذلت اپنے اوپر ڈال دی۔ جبکہ اسلام اور صرف اسلام انسانوں کو ذلت کی ان اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر اللہ کی غلامی کے باوقار اور پرعظمت تخت پر بٹھا دیتا ہے۔

یہ انسان کی حقیقی آزادی کا اعلان ہے اور یہی انسان کے ظہور کا اعلان ہے۔ اس سے پیشتر انسانی وجود اپنی انسانیت کے کمال کے ساتھ کہیں بھی موجود نہ تھا۔ ربعی بن عامر جو لشکرِ اسلام کے قائد تھے، جب سپہ سالار فارس رستم کے پاس قاصد بن کر گئے تو اس نے پوچھا: ”تمہیں یہاں تک کیا شے لے آئی ہے؟“ آپؓ نے فرمایا: ”ہمیں اللہ نے بھیجا، اور اس مقصد کے لئے بھیجا کہ ہم بنی نوع انسان کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ وحدہٗ لاشریک کی بندگی میں لے آئیں، اور انہیں دنیا کی تنگیوں سے دنیا و عقبیٰ کی وسعتوں کی طرف اور ادیانِ باطلہ کے ظلم و جور سے اسلام کے عدل و انصاف کی طرف نکال لے جائیں۔“

سید قطب شہیدؒ

سورۃ یوسف

(آیات 10 تا 14)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ لَا تَقۡتُلُوۡا يُوۡسُفَ وَاَلۡقُوۡهُ فِىۡ غَيٰبَتِ الۡجُبِّ يَلۡتَقِطۡهُ بَعۡضُ السَّيَّارَةِ اِنۡ كُنۡتُمۡ
فٰعِلِيۡنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاۡمَنَّا عَلٰى يُوۡسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوۡنَ ﴿۱۱﴾ اَرۡسِلۡهُ مَعَنَا غَدًا يَّرۡتَعۡ وَيَلۡعَبۡ وَاِنَّا
لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّىۡ لَيَحۡزُنُنِىۡۤ اَنۡ تَذۡهَبُوۡا بِهٖ وَاَخَافُ اَنۡ يَّاۡكُلَهُ الذِّئۡبُ وَاَنۡتُمۡ عَنۡهُ غٰفِلُوۡنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوۡا
لَئِنۡ اَكَلَهُ الذِّئۡبُ وَنَحۡنُ عُصۡبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۴﴾

آیت ۱۰ قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ لَا تَقۡتُلُوۡا يُوۡسُفَ ”کہا ان میں سے ایک کہنے والے نے کہ یوسف کو قتل مت کرو۔“

یہ شریف النفس انسان اُن کے سب سے بڑے بھائی تھے جنہوں نے یہ مشورہ دیا۔ ان کا نام یہودا تھا' اور انہی کے نام پر لفظ ”یہودی“ بنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اصل مسئلہ تو اس سے پیچھا چھڑانے کا ہے' لہٰذا ضروری نہیں کہ قتل جیسا گناہ کر کے ہی یہ مقصد حاصل کیا جائے' اس کے لیے کوئی دوسرا طریقہ بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔

وَاَلۡقُوۡهُ فِىۡ غَيٰبَتِ الۡجُبِّ يَلۡتَقِطۡهُ بَعۡضُ السَّيَّارَةِ ”اور ڈال آؤ اسے کسی باؤلی کے طاقچے میں' اٹھا لے جائے گا اس کو کوئی قافلہ۔“

پرانے زمانے کے کنویں کی ایک خاص قسم کو باؤلی کہا جاتا تھا' اس کا منہ کھلا ہوتا تھا لیکن گہرائی میں یہ تدریجاً تنگ ہوتا جاتا تھا۔ پانی کی سطح کے قریب اس کی دیوار میں طاقچے سے بنائے جاتے تھے۔ اس طرح کی باؤلیاں پرانے زمانے میں قافلوں کے راستوں پر بنائی جاتی تھیں۔ چنانچہ اس مشورے پر عمل کی صورت میں قوی امکان تھا کہ کسی قافلے کا ادھر سے گزر ہو گا اور قافلے والے یوسف کو باؤلی سے نکال کر اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ بڑے بھائی کے اس مشورے کا مقصد بظاہر یہ تھا کہ اس طرح کم از کم یوسف کی جان بچ جائے گی اور ہم بھی اس کے خون سے ہاتھ رنگنے کے جرم کے مرتکب نہیں ہوں گے۔

اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ﴿۱۰﴾ ”اگر تم کچھ کرنے ہی والے ہو۔“

جب نو بھائی اس بات پر پوری طرح تُل گئے کہ یوسف سے بہر حال چھٹکارا حاصل کرنا ہے تو دسواں بھائی ان کو اس حرکت سے بالکل منع تو نہیں کر سکا' لیکن اس نے کوشش کی کہ کم از کم وہ لوگ یوسف کو قتل کرنے سے باز رہیں۔

آیت ۱۱ قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاۡمَنَّا عَلٰى يُوۡسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوۡنَ ﴿۱۱﴾ ”انہوں نے کہا: ابا جان! کیا وجہ ہے کہ آپؑ ہم پر بھروسا نہیں کرتے یوسف کے معاملے میں' حالانکہ ہم تو اس کے بڑے خیر خواہ ہیں۔“

آیت ۱۲ اَرۡسِلۡهُ مَعَنَا غَدًا يَّرۡتَعۡ وَيَلۡعَبۡ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۱۲﴾ ”کل ذرا اسے ہمارے ساتھ بھیجیے' وہ کچھ چر چُگ لے گا اور کھیلے کودے گا' اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“

انہوں نے کہا کہ ہم کل شکار پر جا رہے ہیں' آپؑ یوسف کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دیجیے۔ وہاں یہ درختوں سے پھل وغیرہ کھائے گا اور کھیل کود سے بھی دل بہلائے گا۔ آپؑ اس کی طرف سے بالکل فکر مند نہ ہوں' ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

آیت ۱۳ قَالَ اِنِّىۡ لَيَحۡزُنُنِىۡۤ اَنۡ تَذۡهَبُوۡا بِهٖ وَاَخَافُ اَنۡ يَّاۡكُلَهُ الذِّئۡبُ وَاَنۡتُمۡ عَنۡهُ غٰفِلُوۡنَ ﴿۱۳﴾ ”یعقوبؑ نے فرمایا: مجھے یہ بات اندیشہ میں ڈالتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ' اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اسے بھیڑیا نہ کھا جائے جبکہ تم اس سے غافل ہو جاؤ۔“

مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ وہ تمہارے ساتھ چلا جائے' پھر تم لوگ اپنی مصروفیات میں منہمک ہو جاؤ' اس طرح وہ جنگل میں اکیلا رہ جائے اور کوئی بھیڑیا اسے پھاڑ کھائے۔

آیت ۱۴ قَالُوۡا لَئِنۡ اَكَلَهُ الذِّئۡبُ وَنَحۡنُ عُصۡبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۴﴾ ”وہ کہنے لگے کہ اگر (ہمارے ہوتے ہوئے) اسے بھیڑیا کھا گیا جبکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں' تب تو ہم بہت ہی نکمے ثابت ہوں گے۔“

یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارے جیسے دس کڑیل جوانوں کے ہوتے ہوئے اسے بھیڑیا کھا جائے' ہم اتنے بھی گئے گزرے نہیں ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

عید کبھی رمضان سے پہلے نہیں آتی!

’’عیدِ آزاداں یا عیدِ محکوماں‘‘ کے عنوان سے لکھے جانے والے ندائے خلافت کے اداریے پر یہ اعتراض وارد ہوا ہے کہ خوشیوں سے ترسی ہوئی اس قوم کو عید کی خوشی تو منا لینے دیں۔ ہم اقرارِ جرم کرتے ہیں کہ یہ تحریر لکھ کر ہم نے پوری قوم کے نہ سہی لیکن بہت سے لوگوں کے رنگ میں بھنگ ڈالا ہے۔ اگرچہ اسی شمارے میں پروفیسر مولانا خلیل احمد نوری کے مرتب کردہ مضمون ’’سرورِ کائنات ﷺ کی عید‘‘ کے عنوان سے مضمون کو شائع کر کے ہم نے اپنے دینی بھائیوں کو یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ ایک مسلمان کو آقائے نامدار کی پیروی میں عید کس طرح منانی چاہیے۔ عید کا لغوی معنی لوٹ لوٹ کر یا بار بار آنے ولی شے ہے۔ ظاہری طور پر اس کے لغوی معنوں میں خوشی کا کوئی عنصر نہیں، لیکن یہ بھی ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مختلف مواقع پر آپؐ نے نہ صرف عید الفطر بلکہ عید الاضحیٰ کو بھی خوشی کا موقع قرار دیا۔ آپؐ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں کو دیکھا کہ وہ سال میں دو تہوار مذہبی جوش و خروش سے مناتے ہیں اور اس میں خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ آپؐ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ میں تمہیں اس سے بہتر دو دن دیتا ہوں۔ یہ دو دن عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے ہیں۔ لہٰذا اس میں تو شبہ کی گنجائش ہی نہیں کہ عیدین مسلمانوں کے لئے خوشی کے تہوار ہیں۔

آج کا مسلمان ان دو تہواروں پر ہی سنجیدگی سے غور کر لے تو حقیقت کھل کر اس کے سامنے آجائے گی کہ ان خوشیوں کی قیمت کیا ہے۔ ایک ذہین باپ نے اپنے بیٹے کو سمجھانے کے لئے کہا اور کیا خوب کہا ’’بیٹا یاد رکھو، عید کبھی رمضان سے پہلے نہیں آتی‘‘۔ تیس دنوں کے روزے، موسم کی شدت ہے، دن طویل ہے، اس حال میں چوبیس گھنٹوں میں 15، 16 گھنٹے حلال بھی حرام ہے۔ باقی آٹھ گھنٹوں میں جو خورد و نوش کرنا ہے اس کے لئے محنت و مشقت بھی روزے کی حالت میں کرنا ہے۔ یہ سب کچھ عید الفطر کے لئے ہے۔ زندگی بھر خوشی کے حصول کے لئے کیا کچھ نہ کرنا ہوگا۔ زندگی بھر کی خوشی کے لئے زندگی بھر روزہ رکھنا ہوگا۔ ایسا روزہ جس کا افطار صرف انسان کی زندگی ختم ہونے سے ہی ممکن ہے۔ یہ روزہ آخری سانس تک چلتا ہے یعنی روزمرہ زندگی میں اللہ کی مستقل حرام اور ناجائز قرار دی گئی چیزوں کا روزہ۔ تمام غیر شرعی افعال سے بچنا بالکل اسی طرح جس طرح آپ رمضان کے روزہ میں حلال اشیاء کے کھانے اور جائز جنسی خواہش کی تکمیل سے بھی اجتناب کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں جہاں رمضان کے روزوں کی فرضیت کا اعلان ہے وہیں آیت میں آخری الفاظ ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ آئے ہیں۔ یعنی تقویٰ کا حصول روزہ کا اصل مقصد ہے۔ ماہ رمضان کے روزوں کی مشقت اور محنت بقایا گیارہ ماہ میں حرام سے بچنے کی مشق ہے۔ رہا سوال دوسری عید یعنی عید الاضحیٰ کا تو وہ قربانیوں کی بے نظیر داستان ہے۔ آج دنیا خصوصاً ہمارے معاشرے میں ایسے لوگوں کی کثیر تعداد مل جائے گی جو اولاد کی خاطر شاید اپنی جان بھی قربان کرنے کو تیار ہو جائیں۔ سوچیے اور سلام پیش کیجیے اس عظیم ہستی کو جو خواب میں اشارہ ملنے پر بڑھاپے میں میسر آئی ہوئی نرینہ اولاد کو اللہ کے حضور قربان کرنے کو تیار ہو جائے۔ جو آگ کے سرہانے کھڑا ہو کر کہے نہیں مانوں گا اللہ کے سوا کسی معبود کو، جو شیر خوار بچے اور جواں سال بیوی کو ویرانے میں اللہ کے سہارے چھوڑ آئے۔ اگر کوئی قوم رمضان کے بغیر عید کی طالب ہو تو اُس پر افسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔ اور جو قوم اپنی نفسانی خواہشات کو تو بے لگام چھوڑ دے لیکن جانوروں کی قربانی بڑھ چڑھ کر کرے اور عیدِ قربان منانے کا دعویٰ کرے تو

تا خلافت کی بنا‘ دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

بانی: اقتدار احمد مرحوم

28 اگست تا 3 ستمبر 2012ء — جلد 21
9 تا 15 شوال المکرم 1433ھ — شمارہ 34

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مدیر: ایوب بیگ مرزا

نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد‘ طابع: رشید احمد چودھری

مطبع: مکتبہ جدید پریس‘ ریلوے روڈ‘ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67-اے‘ علامہ اقبال روڈ‘ گڑھی شاہو‘ لاہور-54000

فون: 36316638-36366638 فیکس: 36271241

E-Mail:markaz@tanzeem.org

مقام اشاعت: 36-کے‘ ماڈل ٹاؤن‘ لاہور-54700

فون: 03-35869501 فیکس: 35834000

publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون

اندرونِ ملک...... 450 روپے

بیرون پاکستان

انڈیا---------------(2000 روپے)

یورپ‘ ایشیا‘ افریقہ وغیرہ (2500 روپے)

امریکہ‘ کینیڈا‘ آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)

ڈرافٹ‘ منی آرڈر یا پے آرڈر

’’مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن‘‘ کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

’’ادارہ‘‘ کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اسے کچھ بھی کہا جا سکتا ہے سنتِ ابراہیمی کی ادائیگی نہیں کہا جا سکتا۔ سو عید الفطر ہو یا عید الاضحیٰ بلاشبہ یہ بڑے عظیم تہوار ہیں مگر یہ بے مقصد اور بلا جواز نہیں ہیں۔

ہمارے معترضین کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے بات عیدِ آزاداں سے بھی آگے بڑھا دی۔ اعتراض ایک لحاظ سے درست ہے، اس لئے کہ اب ہم نے عیدِ مومنین کی بات کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عید آزاداں تو مومنین ہی منا سکتے ہیں۔ اللہ کرے ہم اس حقیقت کو جان لیں کہ اسلام ایک دین ہے، ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، مذہب جس کا جزوِ لاینفک ہے۔ اسلام اگر غالب نہیں ہے اور یہ ضابطہ حیات اگر نافذ نہیں تو اجتماعی سطح پر قوم کا اسلام بھی سوالیہ نشان بن جاتا ہے۔ یاد رہے انفرادی معاملہ مختلف ہو سکتا ہے۔ کوئی شخص اپنی ذات میں مومن ہو سکتا ہے۔

زیرِ بحث مسئلہ یہ تھا قومی سطح پر ہم عیدِ آزاداں منا رہے ہیں یا عیدِ محکوماں۔ اس کا جائزہ لینے کے لئے ہماری خواہش ہے کہ ہم کچھ دیر کے لئے قومی سطح پر آئینہ کے سامنے بیٹھیں، تاکہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ ہم ہجوم مومنین بھی ہیں یا نہیں۔ صدر مملکت سے آغاز کرتے ہیں۔ اندازہ کیجئے اخلاقی اور ذہنی معیار کا کہ کرسی صدارت سنبھالتے ہی فرماتے ہیں عہد کوئی قرآن یا حدیث ہوتا ہے کہ اس سے انحراف نہیں ہو سکتا یعنی ملک کے اعلیٰ ترین عہدہ پر فائز شخص عہد شکنی کو برائی ہی نہیں سمجھتا۔ ان کے دورِ صدارت میں جو شخص جتنے بڑے مالی اسکینڈل میں ملوث ہوا عہدہ کے حوالہ سے اتنی ہی ترقی کرتا چلا گیا۔ سابق وزیر اعظم گیلانی کے نام کے ساتھ جب ایک ٹیلی وژن پر ہم نے MBBS کا لاحقہ دیکھا تو ہم سمجھے کہ شاید وہ ڈاکٹر ہیں، بعد میں معلوم ہوا کہ کرپشن کا ذکر ہو رہا تھا اور ان کے بارے میں کہا گیا کہ کرپشن میاں بیوی، بچوں سمیت۔ کون نہیں جانتا کہ ان کی اہلیہ پر بنک فراڈ کا الزام ہے۔ ان کے بیٹوں کے خلاف مقدمات درج ہیں۔ انہوں نے حاجیوں کو بھی نہ بخشا۔ یہ فہرست بہت طویل ہو جائے گی۔ یہ تو ہم نے چاول کی دیگ سے ایک آدھ دانہ چیک کیا ہے۔ پاکستان کے سیاست دانوں کی اکثریت کا یہی حال ہے۔ جرنیلوں کے بارے میں بعض لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ اس معاملے میں سیاست دانوں پر سبقت لے جا چکے ہیں۔ بہت سے شواہد اِس دعویٰ کی تصدیق کرتے ہیں۔ عدلیہ میں کچھ جج بہتر ہو سکتے ہیں لیکن بحیثیت مجموعی ہماری عدالتوں میں انصاف بکتا ہے۔ غیر ملکی اثاثہ جات میں ہمارے بیوروکریٹ سرفہرست ہیں۔ ان میں سے بعض ہمارے صنعتکاروں اور بڑے کاروباریوں کو بھی پیچھے چھوڑ چکے ہیں۔ اب حکمرانوں کے آگے سے آئینہ اٹھا کر عوام کے سامنے رکھ دیں۔ صنعت کار اور بڑے کاروباری ایک سال میں کئی کئی عمرہ ادا کرتے ہیں اور رمضان کا آخری عشرہ تو لازماً سعودی عرب میں گزرتا ہے، لیکن پاکستان میں سب سے زیادہ جعلی دوائیں بکتی ہیں۔ خالص خوراک قصۂ پارینہ بن چکی ہے۔ جعلی ڈگریاں با آسانی دستیاب ہیں۔ عدالتوں اور کچہریوں میں جھوٹے گواہوں کی دستیابی باقاعدہ ایک کاروبار کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ ڈاکٹر موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا مریض کی طرف اس وقت تک دیکھنا گوارا نہیں کرتے جب تک فیس ملنا یقینی نہ ہو جائے۔ انجینئر اور سرکاری ٹھیکیدار بعض اوقات کاغذوں میں پُل تیار کر کے بعد ازاں سیلاب میں بہا دیتے ہیں۔ جھوٹ، غیبت اور بہتان تراشی کو ہم نے گناہوں کی فہرست سے خارج کر دیا ہوا ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ آئینہ نے چغلی کھائی ہے کہ ہم بحیثیت مجموعی ہجومِ مومنین بھی نہیں بلکہ ہجومِ منافقین ہیں۔ لیکن اس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں کہ قوم نیک اور مخلص افراد سے خالی ہو چکی ہے بلکہ قوم کا معاملہ بھی ایک فرد کی مانند ہوتا ہے۔ کوئی عام انسان مکمل نہیں ہوتا۔ اچھائیاں اور برائیاں ہر انسان میں ہوتی ہیں لیکن جس طرح ہم بُرا انسان اسے کہتے ہیں جس میں برائیاں زیادہ اور بڑی ہوں اور اچھائیاں کم ہوں، یہی معاملہ اقوام کا بھی ہوتا ہے۔ بحیثیت مجموعی قوم کا کردار پرکھ کر فیصلہ کرنا ہوگا۔

آخر میں یہ وضاحت لازم ہے کہ استحصالی نظام اور مقتدر لوگوں کے استحصالی ہتھکنڈوں نے اس قوم کے ایک بہت بڑے حصے کو بُری طرح پیس کر رکھ دیا ہے اور فقر نے انہیں کفر کی راہ پر ڈال دیا ہے۔ گویا اس ایلیٹ کو ان پسے ہوئے عوام کی بداعمالیوں کا ذمہ دار بھی ٹھہرایا جائے گا۔ علاوہ ازیں ہم سمجھتے ہیں کہ اس وضاحت کی ضرورت تو نہیں ہے کہ ہمیں اپنی قوم اور ہم وطنوں سے خدانخواستہ کوئی دشمنی ہے۔ ملکی حالات اور اپنی دگرگوں حالت دیکھ کر اور دنیا بھر میں اپنی رسوائیوں کی داستانیں سن کر ہمارے دل میں درد اٹھتا ہے۔ اپنی ذلت اور جگ ہنسائی برداشت نہیں ہوتی۔ ہمیں صرف اپنے قلم پر اختیار ہے جو ظالم حقائق سے آنکھیں چرانے نہیں دیتا، جو بلی کے سامنے کبوتر کا آنکھیں بند کر لینا ہلاکت کو دعوت دینے کے مترادف سمجھتا ہے، جو جھوٹی تسلیوں اور سیاسی نعرہ بازی کو مسئلہ کا حل نہیں سمجھتا۔ لیکن اللہ کے فضل و کرم سے ہم مایوس نہیں ہیں۔ تاریکی اور گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھی کہیں نہ کہیں سے روشنی کی کرنیں ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کراتی ہیں۔ جلد وہ وقت آنے والا ہے جب ہم عید آزاداں منائیں گے ان شاء اللہ۔ لیکن عید آئے گی رمضان کے بعد ہی۔ ان روزوں کے لئے ہمیں قوم کو تیار کرنا ہوگا۔ اس کے لئے ہم اپنی سی کوشش جاری رکھیں گے۔ اللہ ہمیں اپنی کوششیں بڑھانے کی توفیق دے اور شرفِ قبولیت بخشے۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆

تنظیم اسلامی کا پیغام

نظام خلافت کا قیام

"قبولِ حق ہیں فقط مردِ حُر کی تکبیریں"

مسجد دار السلام باغ جناح لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم **حافظ عاکف سعید** حفظہ اللہ کا خطابِ عید

[آیات قرآنی کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات! عید الفطر مسلمانوں کا سالانہ تہوار ہے، آج ہم اسی حوالے سے بفضل اللہ تعالیٰ یہاں جمع ہیں۔ سالانہ تہوار قومی خوشی کا موقع ہوتا ہے۔ ایسے مواقع پر قومی اجتماعیت اور یک جہتی کا اظہار بھی ہوتا ہے اور خوشی اور مسرت کا بھی۔ ہر قوم سالانہ تہواروں کے موقع پر اپنے اپنے انداز میں خوشی اور مسرت کا اظہار کرتی ہے۔ زندہ قومیں ایسے مواقع پر خود احتسابی بھی کرتی ہیں، تاکہ ترقی کا سفر جاری رہے۔ بقول اقبال ؎

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب!

مسلمان دنیا کی عام قوم نہیں ہیں۔ یہ اپنی نوعیت کی ایک منفرد قوم ہے جس کی بنیاد رنگ، نسل، علاقہ یا زبان نہیں، بلکہ کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ یہ وہ قوم ہے جسے دنیا کی کسی دوسری قوم پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری!

مسلمان گزشتہ 1433 سال سے اس زمین پر اللہ کی نمائندہ اُمت ہیں۔ یہ وہ واحد قوم ہے جو اس وقت روئے ارضی پر اللہ کی نمائندگی کر رہی ہے۔ بلاشبہ یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ رب کائنات کا ہم سے وعدہ ہے کہ اگر ہم بحیثیت مسلمان اپنا کردار صحیح ادا کرتے رہے یعنی اللہ، اس کے رسولؐ اور اُس کے دین کے وفادار بن کر رہے تو نہ صرف یہ کہ اپنی اصل زندگی یعنی آخرت میں ابدی کامیابی اور اللہ کی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے بلکہ اس دنیا میں بھی اللہ ہمیں عزت اور سربلندی یعنی غلبہ واقتدار سے نوازے گا۔ قرآن عزیز کہتا ہے:

﴿وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ﴾

(آل عمران:139)

"اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔"

یعنی مسلمان قوم کو اللہ نے دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی اور ہر مرحلے پر نصرت و حمایت کی بشارت و ضمانت دی ہے۔

اللہ کی نمائندگی کا منصب جہاں ہمارے لیے ایک بہت بڑا اعزاز ہے وہاں یہ ایک بھاری ذمہ داری کی ادائی کا متقاضی بھی ہے اور اس ذمہ داری میں کوتاہی اللہ کی نگاہ میں جرم عظیم ہے۔ علامہ اقبال کو اس چیز کا بڑی شدت سے احساس تھا۔ فرماتے ہیں ؎

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

اسی طرح اُن کا شعر ہے ؎

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

چنانچہ جس قوم کو اللہ نے یہ اعزاز بخشا کہ اسے خیر امت کا لقب عطا فرمایا، جس کو یہ اعزاز عطا ہوا کہ وہ رحمۃ للعالمین ﷺ کی اُمت قرار پائی، اُسے یہ بتا کر اُس کے کان بھی کھول دیے گئے کہ

﴿وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا يَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَكُمۡ﴾ (سورۂ محمدؐ: 38)

"اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح کے نہیں ہوں گے۔"

اللہ کی یہ وعید ہماری تاریخ میں پہلی بار آٹھویں صدی ہجری میں پوری ہوئی۔ جب عباسی خلافت اور پورا عالم اسلام بحیثیت مجموعی طاؤس و رباب والے کلچر میں رنگا گیا تو اُن پر تاتاریوں کا سیلاب اللہ کا قہر بن کر نازل ہوا، جس کے نتیجے میں کروڑوں مسلمان قتل ہوئے اور عباسی خلافت کا خاتمہ ہوا۔ خلیفۃ المسلمین کو نہایت بے دردی سے قتل کیا گیا۔ یہی وہ وقت تھا جب عالم اسلام کی قیادت کا منصب عربوں سے چھین کر ترکوں کو دے دیا گیا۔ ؎

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

حضرات محترم! اللہ کا یہ قانون اور سنت الٰہی کہ مسلمان قوم کی عظیم اکثریت جب اللہ کے دین سے بے وفائی اختیار کرتی ہے تو اُن پر ذلت و مسکنت اور بے چارگی و بے بسی کا عذاب مسلط کر دیا جاتا ہے۔ مزید برآں اللہ کی نعمتوں کی ناقدری پر اُس پر بھوک اور خوف جیسے عذاب بھی مسلط کر دیے جاتے ہیں۔ آج پورا عالم اسلام بالعموم اور اسلامی جمہوریہ پاکستان بالخصوص اللہ کے انہی عذابوں کی زد میں ہے۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں

ہے، صرف اشارات میں بات کروں گا۔ آج پوری امت بحیثیت مجموعی اللہ کے عذاب کی زد میں ہے۔ پوری دنیا میں مسلمان سب سے زیادہ ذلیل وخوار ہیں۔ ہر جگہ ظلم وستم کے پہاڑ ان پر توڑے جا رہے ہیں۔ دنیا کی کل آبادی کا 1/6 ہونے اور تیل کی دولت سمیت بے شمار وسائل رکھنے کے باوجود مسلمان دنیا میں کسی شمار قطار میں نہیں ہیں۔ نہ تین میں نہ تیرہ میں۔ کسی عالمی فورم پر ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ G8 میں ہیں اور نہ سلامتی کونسل ہی کے مستقل ارکان میں شامل ہیں۔ اور عملاً صورت حال یہ ہے کہ ؎ برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر۔ مسلمان پوری دنیا میں بدترین دہشت گردی کا شکار ہیں۔ فلسطین، کشمیر، عراق، افغانستان، چیچنیا میں اُن کا خون پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے کوسوو، بوسنیا اور فلپائن میں مسلمان گاجر مولی کی طرح کاٹ دیے گئے اور اب پاکستان کے قبائلی علاقوں میں ڈرون حملوں کے ذریعے (جو پچھلے 10 سال سے جاری ہیں) اور شام اور میانمار (برما) میں اُن کا خون بہایا جا رہا ہے۔ گویا ؎ ہو گیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو

سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی اس مظلومیت اور زبوں حالی کا سبب کیا ہے۔ اُن کے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ کیا (نعوذ باللہ) اللہ کی خدائی امریکہ اور یہود کے سامنے بے بس ہے؟ ہرگز نہیں۔ اصل بات یہ ہے اس زبوں حالی کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔ ہم خود مجرم ہیں اور ہمیں ہمارے جرائم کی سزا دی جا رہی ہے۔ مسلمان بحیثیت مجموعی اپنا دینی مشن اور فرض منصبی بھول کر، آخرت کو فراموش کر کے دنیا پرستی اور دولت پرستی کی دلدل میں غرق ہو چکے ہیں۔ اللہ کے دین سے اُن کی بے وفائی کا یہ عالم ہے کہ دنیا میں 56-57 اسلامی ممالک میں سے کسی ایک جگہ بھی آج اللہ کا دین قائم و غالب نہیں ہے! بلکہ اجتماعی سطح پر آج ہم شعوری طور پر اللہ کے دیے ہوئے عادلانہ اور پاکیزہ نظام کو چھوڑ کر اللہ کے باغی شیطان کے وضع کردہ بے حیا سماجی نظام اور سودی سرمایہ دارانہ، سیکولر نظام کو گلے سے لگائے ہوئے ہیں۔ پھر بڑے معصوم بن کر شکوہ کرتے ہیں کہ ؎

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں

اور

رحمتیں ہیں تیری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

جان لیجیے، مسلمانوں کی بداعمالیوں کی اصل سزا تو آخرت میں ملے گی، لیکن دنیا کے حوالے سے اللہ کی سنت یہ ہے۔ بقول اقبال ؎

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف!

اب آیئے، اس خطۂ زمین کی طرف جو اللہ نے معجزانہ طور پر اور عظیم تحفے کے طور پر ہمیں عطا فرمایا تھا۔ 27 رمضان المبارک کو مسلمانانِ برصغیر کی دعاؤں کا نتیجہ، اللہ سے کیے ہوئے وعدوں، پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ کا حاصل، یہ مملکت خداداد پاکستان قائم ہوئی۔ یہ دنیا کا واحد ملک ہے جو اسلام کے نام پر وجود میں آیا۔ مگر اس عظیم تحفے کی ناقدری اور اللہ کے احسان عظیم کی ناشکری میں ہم تمام حدود کو پھلانگ گئے۔ ہم نے بحیثیت قوم اللہ کے ساتھ وعدہ خلافی اور بدعہدی کی۔ اس کے عطا کردہ ملک کے ساتھ خیانت اور اس کی ناقدری کی، اور اللہ کے دین کے ساتھ بے وفائی بلکہ غداری کی۔ یہی نہیں غداری میں دنیا کی تمام اقوام کو پیچھے چھوڑ دیا۔

چنانچہ آج اللہ کا وہ کون سا عذاب ہے جو کسی نہ کسی صورت میں ہم پر مسلط نہیں ہوا۔ ذلت و مسکنت کا عذاب، بھوک و فقر کا عذاب، سیلابوں کا عذاب، زلزلوں کا عذاب، خانہ جنگی کا عذاب، ٹارگٹ کلنگ کا عذاب ارضِ پاکستان اس وقت ان تمام عذابوں کا مجموعہ بن چکی ہے۔ پاکستان اس وقت پوری دنیا میں سب سے زیادہ قابل نفرت ملک سمجھا جاتا ہے۔ پچھلے 66 سال کے بعد ہمیں کم از کم اتنا Mature ہو جانا چاہیے کہ ہم حقائق کا

پریس ریلیز

24 اگست 2012ء

شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن کا حکومتی فیصلہ قومی خودکشی کے مترادف ہوگا

ملک کے استحکام و بقا کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہم امریکہ کی جنگ سے مکمل طور پر باہر آ جائیں اور انفرادی اور اجتماعی سطح پر اسلام کے نظامِ زندگی کو اختیار کریں

حافظ عاکف سعید

شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن کا حکومتی فیصلہ قومی خودکشی کے مترادف ہوگا۔ ہمارے وزیر اطلاعات کے سابق آمر پرویز مشرف کی طرح یہ منطق بالکل بے معنی ہے کہ ہم یہ آپریشن اپنے قومی مفاد میں کریں گے۔ آپریشن سے ملک میں عدم استحکام کی آگ مزید بھڑکے گی اور اُن اسلام اور ملک دشمن طاقتوں کے عزائم کو تقویت ملے گی جن کا اولین ہدف پاکستان ہے۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ نام نہاد دہشت گردی کے خلاف طاغوتی جنگ میں امریکہ سے جزوی یا کلی ہر طرح کا تعاون دین سے غداری اور اللہ سے بغاوت ہے اور بغاوت کے راستے پر چل کر ہم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ملک کے استحکام و بقا کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہم امریکہ کی جنگ سے مکمل طور پر باہر آ جائیں اور انفرادی اور اجتماعی سطح پر اسلام کے نظام زندگی کو اختیار کریں۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ چند دن پہلے 27 رمضان کو ہم نے قمری اعتبار سے اپنا 67 واں یومِ آزادی منایا۔ یہ یومِ آزادی بھی ہم سے خود احتسابی کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم نے نفاذِ اسلام کے عظیم مقصد کی جانب کس قدر پیش قدمی کی ہے جس کے لیے یہ ملک حاصل کیا تھا۔ انہوں نے اس پر افسوس کا اظہار کیا کہ ہم خود احتسابی کے لیے تیار نہیں۔ ہمارے جرائم اور کوتاہیوں کا نتیجہ ہے کہ اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آنے والی مملکت آج دنیا میں ناکام ترین اور کرپٹ ترین ممالک میں شمار ہونے لگی ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ امریکہ سے ناتا توڑنے اور اللہ اور اس کے دین سے ناتا جوڑنے سے ہی ہم مصائب و مسائل سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشرو اشاعت تنظیم اسلامی پاکستان)

سامنا کر سکیں۔ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے سے بات نہیں بنے گی بلکہ اس سے ہمارا نقصان ہی ہوگا۔ اگر بغور دیکھا جائے تو ہمارے بڑے بڑے قومی جرائم دو ہیں۔

1- ملک میں 96% مسلمان ہونے کے باوجود 66-67 سالوں میں بھی ہم نے اللہ کے دین اور اس کی شریعت کو قائم و نافذ نہ کیا، بلکہ شیطانی معاشرے اور شیطانی معیشت اور سیکولرازم پر مبنی شیطانی سیاست کو گلے سے لگائے رکھا۔

2- ہم نے نہ صرف اللہ سے اور اُس کے دین سے بے وفائی کی بلکہ آگے بڑھ کر شیطانی اور ابلیسی طاقتوں کی صف میں جا کر کھڑے ہوگئے اور کرۂ ارضی پر موجود دنیا کی واحد اسلامی حکومت امارت اسلامی افغانستان کے خاتمے میں اللہ کی باغی طاقتوں کا بھرپور ساتھ دیا، اور پوری ڈھٹائی سے دیا۔ ہم ان طاقتوں کے صف اول کے اتحادی بنے۔

اِن جرائم کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ سات آٹھ قسم کے عذاب تو میں گنوا چکا ہوں۔ اِن میں ایک اور کا اضافہ کرلیجیے یعنی بدترین حکام کا مسلط ہو جانا۔ پرویز مشرف تو ہم پر ایک عذاب کی صورت میں مسلط تھا ہی، اس کے بعد اتنے نااہل، اتنے خود غرض، اتنے بے اصول، اتنے بدعہد، اتنے مفاد پرست، ملکی وقومی مفادات کے اتنے بڑے دشمن حکمران اور عدلیہ کے ساتھ محاذ آرائی کے ذریعے پوری دنیا میں پاکستان کی بدنامی اور جگ ہنسائی کا ذریعہ بننے والی قیادت عذاب نہیں تو اور کیا ہے؟

آخری بات

ملی اور ملکی حوالے سے خود احتسابی کے بعد عیدالفطر کا اصل پیغام قرآن حکیم کی روشنی میں چند جملوں میں آپ کے سامنے رکھوں گا۔ اگرچہ موجودہ صورت حال حد درجہ پریشان کن اور مایوس کن ہے، لیکن مسلمان کبھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا۔ سورۃ البقرہ کے 23 ویں رکوع میں جہاں روزہ کی فرضیت، حکمت اور اس کے احکام کا تفصیلی ذکر ہے، وہیں یہ نہایت حوصلہ افزا آیت بھی ہے کہ

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ﴾

’’اور (اے پیغمبرﷺ) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دو کہ) میں تو (تمہارے) پاس ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔‘‘

اللہ غفور رحیم ہے۔ وہ دعاؤں کو سنتا بھی ہے اور قبول بھی کرتا ہے۔ وہ ہم سے ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اس کا وعدہ ہے ہماری دعاؤں کو ضرور سنے گا، لیکن شرط یہ ہے کہ

﴿فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ﴾ (186)

’’تو ان کو چاہیے کہ میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ نیک راستہ پائیں۔‘‘

یعنی ہم اللہ کا کہا مانیں، اور اُس پر پختہ ایمان رکھیں۔

روزہ کی عبادت کا حاصل تقویٰ ہے۔ ایک روزہ تو رمضان کے ساتھ ہی ختم ہوگیا، لیکن ایک روزہ جو پورا سال جاری رہے گا وہ باقی ہے۔ رمضان کے روزے میں مسلمان صبح سے شام تک کھانے پینے اور شہوت سے بچتے تھے۔ اس دوسرے روزے میں ہمیں پورے سال حرام سے بچنا ہے، گناہوں سے بچنا ہے، اللہ کی نافرمانی سے بچنا ہے۔ اگر ہم واقعی اللہ کے بندے اور غلام ہیں تو یہ ہمیں لازماً کرنا ہوگا۔

آگے انہی آیات میں فرمایا:

﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ﴾

’’اور (یہ آسانی کا حکم) اس لیے (دیا گیا ہے) کہ تم روزوں کا شمار پورا کرلو اور اس احسان کے بدلے کہ اللہ نے تم کو ہدایت بخشی ہے تم اس کی تکبیر بیان کرو۔‘‘

تکبیر کا تقاضا صرف ’’اللہ اکبر‘‘ کہہ دینا نہیں ہے، بلکہ ہمیں ہر سطح پر اللہ کی بڑائی کو منوانا ہوگا۔ گھر میں بھی، مارکیٹ میں بھی، پارلیمنٹ میں بھی، عدالتوں میں بھی۔ تکبیرات تو ہم نماز عید کے لیے آتے جاتے بھی پڑھتے ہیں اور نماز میں بھی اضافی تکبیرات ہیں۔ لیکن اقبال کہتے ہیں ؎

شکوہ عید کا منکر نہیں ہوں میں لیکن
قبولِ حق ہیں فقط مردِ حُر کی تکبیریں!

ہم زبان سے تکبیر رب کا اعلان کرتے ہوئے اللہ اکبر کہتے ہیں، مگر یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ عملاً امریکہ کو ’’اکبر‘‘ کا درجہ دے رکھا ہے، اور اُس کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ مردِ حر وہ ہے جو صرف ایک اللہ کا غلام ہو۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات!

بحمد اللہ اس دور میں بھی مردانِ حر کی تکبیروں کا ایک مظاہرہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ یہ مردانِ حر طالبان افغانستان ہیں، جو بالکل نہتے اور بے سروسامان تھے اور چند ہزار سے زائد نہیں تھے۔ لیکن انہوں نے فرعون وقت امریکہ کے سامنے جھکنے سے صاف انکار کر دیا۔ ان کی تکبیرات سے امریکی اور Nato فوجیوں کا پیشاب خطا ہوتا ہے۔ انہیں pampers کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان کی تکبیرات کی وجہ سے وہائٹ ہاؤس اور پنٹاگون کے ایوانوں میں زلزلہ بپا ہوتا ہے۔ آج اللہ کی توفیق اور مدد سے انہوں نے امریکہ اور Nato افواج کو شکست سے دوچار کر دیا ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے ولیومنوا بی کا تقاضا پورا کیا، شریعت کو اپنے ہاں نافذ کیا اور اللہ پر اعتماد اور توکل کو اپنا ہتھیار بنایا۔ اقبال نے 100 سال پہلے کہا تھا ؎

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

ایمان اور توکل کا سبق آج ہمیں اُن جری طالبان سے سیکھنا ہوگا۔ افغانستان میں ان شاء اللہ جلد یا بدیر ایک اسلامی حکومت قائم ہوگی اور والد محترم کا خواب پورا ہوگا۔

آج میں آپ کو عید پر جو پیغام دے رہا ہوں اُس کا حاصل یہ ہے کہ

☆ ذاتی زندگی میں تقویٰ کے ذریعے اللہ کے قریب آئیں۔ اپنے روٹھے ہوئے رب کو منائیں۔ آپس کے تعلقات کو بھی رب کی رضا کے تابع کریں۔ باہمی محبت اور اعتماد کی فضا کو بڑھائیں کہ یہ ہمارے ایمان کا تقاضا بھی ہے اور دنیا میں بہتر مستقبل کا ضامن بھی۔ محروم طبقات کے ساتھ ہمدردی اور تعاون کا معاملہ کریں۔

☆ اجتماعی سطح پر ملک خداداد پاکستان میں اللہ کے دین کے قیام اور شریعت کے نفاذ کے لیے اجتماعی جدوجہد میں شریک ہو جائیں، تاکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہم سے راضی ہوں، اور ہم پر اللہ کی رحمت اور نصرت کا دروازہ کھل جائے۔ امریکہ کی اس جنگ سے ہمیں نکلنا ہوگا، ورنہ ہم رب کے غدار ٹھہریں گے اور غدار کو کبھی اعزازات و انعامات سے نہیں نوازا جاتا، ذلت آمیز سزا ہی ملتی ہے۔ ہمیں رب کے وفادار بن کر اس کی مدد حاصل کرنا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) [مرتب: محبوب الحق عاجز]

☆☆☆

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

فرقان دانش

حضرت عبداللہ ؓ کے والد کا نام مسعود تھا۔ عام طور پر لوگ آپ کو ابن ام عبد کہہ کر پکارتے تھے۔ بلوغت کی عمر کے قریب آپ مکہ کے ایک رئیس عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب نبی کریم ﷺ نبوت کا اعلان فرمایا تھا اور عبداللہ اکثر آپ کی باتیں بڑے غور سے سنا کرتے تھے۔ ایک دن عبداللہ بن مسعود ؓ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا اور خود کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کرتے ہوئے اپنے آپ کو بارگاہ نبوت میں پیش کر دیا اور اسی روز سے وہ سعادت مند اور خوش بخت لڑکا بکریوں کی گلہ بانی سے نکل کر سرور کائنات کی خدمت میں منتقل ہو گیا۔ وہ ہر وقت سفر میں، حضر میں، گھر کے اندر اور گھر سے باہر سائے کی طرح آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہتے۔ جب آپ ﷺ سو جاتے تو وہ آپ ﷺ کو بیدار کرتے، جب آپ ﷺ غسل کرتے تو وہ پردے کا انتظام کرتے۔ جب آپ ﷺ باہر جانے کا ارادہ کرتے تو وہ آپ ﷺ کو جوتے پہناتے۔ جب آپ ﷺ گھر میں داخل ہوتے تو وہ جوتوں کو پائے مبارک سے نکالتے۔ وہ آپ ﷺ کے عصا اور مسواک کی حفاظت کرتے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کے قرب و تعلق کا یہ حال تھا کہ آپ ﷺ نے انھیں ہر وقت اپنے گھر آنے اور اپنے تمام رازوں سے واقف رہنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ اسی وجہ سے وہ ''رازدان رسول ﷺ'' کہے جاتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں آپ ﷺ کے زیر تربیت پروان چڑھے۔ انھوں نے اپنی زندگی کو آپ ﷺ کے اخلاق و عادات کے سانچے میں ڈھال لیا۔ ہر کام میں آپ ﷺ کی پیروی کو اپنا وظیفۂ حیات بنا لیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے اخلاق و عادات کے لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کے قریب تر تھے۔ انھوں نے مدرسہ رسولؐ سے علوم قرآن کا درس لیا۔ وہ صحابہ کرام ؓ میں سب سے بڑے قاری، قرآن کے معانی کے سب سے بڑی رمز شناس اور شریعت الٰہی کے سب سے بڑے نکتہ داں تھے۔ ایک بار جب حضرت عمر بن خطاب ؓ میدان عرفات میں وقوف فرمائے ہوئے تھے تو ایک شخص نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا:

''امیر المومنین! میں کوفہ سے آیا ہوں۔ میں نے وہاں ایک شخص کو دیکھا جو قرآن میں دیکھے بغیر زبانی اس کی املا کراتا ہے۔''

یہ سن کر انھوں نے خشمگیں لہجے میں پوچھا:

''تیرا برا ہو، کون ہے وہ شخص؟''

''عبداللہ بن مسعود۔'' اس نے ڈرتے ہوئے کہا۔

یہ سن کر بتدریج ان کے غصے کا اثر زائل ہو گیا۔ پھر انھوں نے فرمایا:

''اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ ان سے زیادہ کوئی دوسرا شخص بھی اس کا حق دار ہے۔ اس کے متعلق میں تم سے ایک واقعہ بیان کرتا ہوں: ''ایک رات کا ذکر ہے رسول اللہ ﷺ ابوبکر ؓ کے یہاں تشریف فرما تھے۔ وہ دونوں حضرات مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے۔ اس مجلس میں میں بھی موجود تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ وہاں سے نکلے۔ ہم لوگ بھی آپ ﷺ کے ساتھ چلے۔ اچانک ہم نے دیکھا کہ کوئی شخص مسجد میں کھڑا نماز پڑھ رہا ہے۔ ہم اسے پہچان نہ سکے۔ رسول اللہ ﷺ تھوڑی دیر کھڑے ہو کر اس کی قراءت سنتے رہے پھر ہماری طرف مڑتے ہوئے بولے: ''جو شخص قرآن کو اس طرح پڑھنا چاہے جیسا کہ وہ نازل ہوا ہے تو اسے چاہیے کہ ابن ام عبد ؓ کی قرأت کے مطابق اسے پڑھے۔'' پھر جب عبداللہ بن مسعود ؓ بیٹھ کر دعا مانگنے لگے تو رسول اللہ ﷺ کہتے جاتے:

سل تعطه سل تعطه۔

''مانگو دیا جائے گا، مانگو دیا جائے گا''

کتاب اللہ کے علم میں ابن مسعود ؓ کا مقام اتنا بلند تھا کہ وہ خود فرماتے تھے: ''قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، قرآن کریم کی جو آیت بھی نازل ہوئی اس کے بارے میں مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ کہاں اور کس کے متعلق نازل ہوئی۔ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ اس کے متعلق کوئی شخص مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے اور اس کے پاس پہنچنا ممکن ہو تو میں وہاں پہنچ کر اس کے علم سے ضرور استفادہ کروں گا۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے اپنے متعلق جو کچھ فرمایا اس میں ذرہ برابر مبالغہ سے کام نہیں لیا۔

حضرت عمر بن خطاب ؓ ایک مرتبہ سفر کے دوران ایک قافلے سے رات کے وقت ملے۔ اندھیرا گہرا تھا۔ چہرے نظر نہ آ رہے تھے۔ اس قافلے میں ابن مسعود ؓ بھی تھے۔ حضرت عمر ؓ نے ایک شخص سے کہا کہ ان لوگوں کے بارے میں پوچھو یہ کون ہیں؟ سوال کرنے والے نے پوچھا:

''آپ لوگ کہاں سے آ رہے ہیں؟''۔

ابن مسعود ؓ: ''فج عمیق سے۔''

حضرت عمر ؓ: ''اور کہاں کا ارادہ ہے۔''

ابن مسعود ؓ: ''بیت عتیق کا۔''

یہ سن کر حضرت عمر ؓ نے کہا کہ اس قافلے میں کوئی صاحب علم ہے اور انھوں نے اپنے آدمی سے کہا پوچھو: ''قرآن کا کون سا حصہ سب سے عظیم ہے؟''

ابن مسعود ؓ:

﴿اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ﴾ (البقرہ:255)

''اللہ وہ زندہ جاوید ہستی ہے جو کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ نہ سوتا ہے، نہ اسے اونگھ لگتی ہے۔''

حضرت عمر ؓ: ''قرآن کا کون سا حصہ سب سے زیادہ محکم ہے؟''

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی

الْقُرْبٰى﴾ (النحل:90)

"اللہ تعالیٰ عدل واحسان اور رشتہ داروں سے صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔"

حضرت عمرؓ: "قرآن کا کون سا ٹکڑا سب سے زیادہ جامع ہے؟

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○﴾ (الزلزال:8،7)

"پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔"

حضرت عمرؓ: "قرآن کا کون سا حصہ سب سے زیادہ خوفناک ہے؟

ابن مسعودؓ:

﴿لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ○﴾ (سورۃ النساء:123)

"انجام کار نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے، نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر جو بھی برائی کرے گا اس کا پھل پائے گا اور اللہ کے مقابلے میں اپنے لیے کوئی حامی ومددگار نہ پاسکے گا۔"

حضرت عمرؓ: "قرآن کا کون سا حصہ سب سے زیادہ امید افزا ہے؟

ابن مسعودؓ:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (الزمر:53)

"(اے نبی ﷺ میرے بندوں سے) کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ وہ تو غفور رحیم ہے۔"

حضرت عمرؓ نے کہا کہ ان سے پوچھو کہ "کیا آپ عبداللہ بن مسعود ہیں؟" تو قافلہ والوں نے جواب دیا کہ ہاں۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف عالم وقاری اور عابد وزاہد ہی نہیں تھے بلکہ وہ بڑے بلند ہمت، نہایت دور اندیش، زبردست مجاہد اور میدان کارزار میں پیکر جرأت وشجاعت بھی تھے۔ وہ پہلے مسلمان ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے پہلے مشرکین کے مجمع میں باآواز بلند قرآن پڑھ کر سنایا۔ ایک روز مسلمان (جب وہ قلیل التعداد اور کمزور تھے) مکہ میں اکٹھے ہوئے اور آپس میں کہنے لگے، بخدا، ابھی تک قریش نے باآواز بلند کسی سے قرآن نہیں سنا۔ کون ہے جو ان کو سنا دے؟ حضرت عبداللہؓ نے کہا: "میں انھیں قرآن سناؤں گا۔" صحابہ ؓ نے کہا: "آپ اس کے لیے مناسب نہیں ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ کام کوئی ایسا شخص انجام دے جس کی پشت پر اس کے قبیلے کی طاقت ہو کہ اگر قریش اس کے ساتھ بری نیت سے پیش آئیں تو اس کا قبیلہ اس کی حمایت کے لیے اُٹھ کھڑا ہو۔" لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ "نہیں یہ کام مجھے ہی کرنے دو۔ اللہ تعالیٰ مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھے گا اور ان کے مقابلے میں میری حمایت کرے گا۔" پھر وہ چاشت کے وقت مسجد حرام میں داخل ہوئے اور مقام ابراہیمؑ کے پاس پہنچ گئے۔ اس وقت سرداران قریش کعبہ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہؓ نے مقام ابراہیمؑ پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○﴾ (الرحمن:1تا4)

"اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ نہایت مہربان جس نے اس قرآن کی تعلیم دی ہے۔ اس نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔"

وہ کتاب اللہ کی آیات پڑھتے چلے گئے۔ آواز سن کر سرداران قریش اُن کی طرف متوجہ ہوئے اور بولے: "یہ ابن ام عبد کیا پڑھ رہا ہے؟......... ارے اس کا ناس ہو۔ یہ تو اسی پیغام کا کوئی حصہ پڑھ رہا ہے جس کو محمد ﷺ لائے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے، تیزی سے ان کی طرف لپکے اور ان کے چہرے پر مارنے لگے لیکن انھوں نے تلاوت کا سلسلہ منقطع نہیں کیا۔ وہ برابر پڑھتے رہے اور وہیں جا کر رکے جہاں تک وہ پہنچنا چاہتے تھے۔ پھر وہ لوٹ کر اپنے ساتھیوں میں آئے۔ اس وقت ان کے جسم سے خون بہہ رہا تھا۔ لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر کہا "آپ کے متعلق ہم کو اسی بات کا اندیشہ تھا۔" یہ سن کر انھوں نے کہا: "بخدا اللہ کے یہ دشمن آج سے پہلے میری نظر میں اتنے ذلیل و بے وقعت نہ تھے۔ اگر آپ لوگ چاہیں تو میں کل بھی ان کو اسی طرح قرآن سنا سکتا ہوں۔" لیکن ساتھیوں نے کہا کہ "نہیں، بس اتنا کافی ہے۔ تم نے ان کو وہ چیز سنا دی جس کا سننا انھیں گوارا نہیں ہے۔"

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت تک زندہ رہے۔ جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت عثمانؓ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ مزاج پرسی کے بعد انھوں نے دریافت کیا۔ "آپ کو کس چیز کی شکایت ہے؟" بولے: "اپنے گناہوں کی۔" پوچھا: "کیا خواہش ہے؟ بولے: "اپنے رب کی رحمت کی۔" پوچھا: "کیوں نہ آپ کے وظیفے کی ادائیگی کا حکم جاری کر دوں جس کو لینے سے آپ نے پچھلے کئی سالوں سے انکار کر رکھا ہے؟" بولے: "مجھے اس کی ضرورت نہیں۔" کہنے لگے: "آپ کے بعد آپ کی بچیوں کے کام آئے گا۔" بولے: "کیا آپ کو میری بیٹیوں کے متعلق محتاجی کا اندیشہ ہے؟ میں نے انھیں ہر رات سورہ واقعہ پڑھنے کی ہدایت کر دی ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ اشارہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: "جو شخص ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھ لیا کرے گا وہ فقر وفاقہ سے دوچار نہ ہوگا۔"

اور جب رات آئی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ اس وقت ان کی زبان مبارک اللہ کے ذکر اور اس کی آیات بینات سے تر تھی۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

معمار پاکستان نے کہا

در حقیقت آدمی کو قرآن مجید میں اللہ کا خلیفہ کہا گیا ہے۔ اگر آدمی کی یہ صراحت (توصیف) کسی اہمیت کی حامل ہے تو ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم قرآن مجید پر عمل کریں۔ دوسرے انسانوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کریں جیسا اللہ تعالیٰ اپنی انسانی مخلوق کے ساتھ کرتا ہے۔ وسیع معنوں میں یہ فرض، فرض محبت وصبر ہے۔ میرا یقین کریں کہ یہ فرض منفی نہیں بلکہ مثبت ہے...... تمام معاشرتی احیاء اور سیاسی آزادی کا دارومدار اس بات پر ہے جو زندگی میں نہایت اہم ہے، اور وہ ہے "اسلام اور اسلامی روح۔" (عید کا پیغام، بمبئی 13 نومبر 1939ء)

ماہ شوال کی فضیلت

ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی

شوال کا مہینہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ مسرت وانبساط کا مژدہ سناتا ہے۔ خالق حقیقی بندوں کی مغفرت فرماتا ہے۔ گناہوں کے صحرا میں جب گردباد کی سیٹیاں بجتی ہیں اور یہاں کے باسی جھلستے ہیں تو تھکے ہارے ہانپتے گناہ گاروں اور خطا کاروں کے احساس ندامت کو دیکھ کر خالق حقیقی کی بے کراں شفقت جوش مارتی ہے۔ پیاس کے صحرا میں پھر انہیں رب مہربان زمزم پلاتا ہے۔

بقول سید ضمیر جعفری:

وقت کے ماتھے پہ جس کی روشنی لکھی گئی
وہ رُخ زیبا ہے ترا وہ یدِ بیضا تو ہی
کس نے تھامارات میں ڈوبے ہوئے سورج کا ہاتھ
روشنی کو صبح کی چوکھٹ پہ لے آیا تو ہی
کون ہے تیرے سوا، دکھیا دلوں کا داد رس
خلق کا مولا تو ہی، ملجا تو ہی، ماوا تو ہی

مولانا محمد جونا گڑھی اور مولانا صلاح الدین یوسف ''قرآن حکیم مع ترجمہ وتفسیر'' (مطبوعہ شاہ فہد قرآن حکیم پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ منورہ مطبوعہ 1419 ھجری) کے صفحہ 506 پر تحریر فرماتے ہیں کہ چار مہینے ایسے ہیں جو حرمت والے ہیں: (1) رجب (2) ذوالقعدہ (3) ذوالحجہ اور (4) محرم

شوال قمری سال کے دسویں مہینے کا نام ہے۔

سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 2 میں ارشاد ربانی ہے:

﴿فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ﴾

''پس (اے مشرکو!) تم ملک میں چار مہینے تک تو چل پھر لو۔''

یہاں 9 ھجری کا ذکر ہے جس میں چار مہینوں کا فرمایا گیا ہے کہ عرب اپنے ملک کے اندر بغیر کسی قسم کے حملے کے خوف کے چل پھر سکتے تھے۔ بعض مفسرین کے نزدیک شوال بھی حرمت والے مہینوں میں سے ہے۔ حدیث کے مطابق شوال حج کے مہینوں میں سے ہے۔ ملاحظہ ہو: (البخاری، کتاب الحج، باب 37,33)

اسلام سے پہلے عرب شوال کے مہینے کو شادیوں کے لئے موزوں نہیں سمجھتے تھے حالانکہ یہ خیال غلط ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شوال میں ہی شادی کی تھی۔ (ملاحظہ ہو: الترمذی، کتاب النکاح) اردو دائرہ معارف اسلامیہ (جلد 11) کا فاضل مقالہ نگار A.J.WENSINCK صفحہ نمبر 816 پر رقمطراز ہے: ''ان چھوٹے دنوں کو ''چھوٹے تہوار'' (العید الاصغر) میں شامل ہونے کی مقدس حیثیت حاصل ہے۔ شوال المکرم ہے۔ یعنی شوال کا مہینہ قابل احترام ہے۔''

سرخیل علماء و عارفین حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے بھی اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''غنیۃ الطالبین'' میں اس مہینے کی بڑی فضیلت تحریر فرمائی ہے۔

شوال کے چھ نفلی روزے:

اس مہینے کی اسلام میں بڑی فضیلت ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص رمضان کے روزے رکھے اور ان کے ساتھ چھ روزے شوال کے بھی رکھے، وہ گویا صائم الدھر (یعنی ہمیشہ روزہ رکھنے والا) ہے۔'' (مسلم) یہ حدیث جامع ترمذی میں بھی ہے۔

ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص عیدالفطر کے بعد چھ دن روزہ رکھے اس کو پورے سال کے روزوں کا ثواب ملے گا۔ جو ایک نیکی لائے اس کو اس کا دس گنا اجر ملے گا۔''

(سنن ابن ماجہ)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ ''جس نے رمضان المبارک کے روزے رکھے اس کے بعد ماہ شوال میں چھ نفلی روزے رکھے، اس کا یہ عمل ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہوگا۔''

(صحیح مسلم)

اگر رمضان المبارک کے کوئی روزے خدانخواستہ رہ جائیں تو یہ روزے قضا ادا کرنے کے بعد ہی شوال کے چھ مسنون روزے رکھے جائیں۔ شوال کے چھ روزے عید کے بعد لگاتار بھی رکھے جاسکتے ہیں اور وقفوں کے ساتھ بھی۔ شوال کے یہ چھ روزے مستحب ہیں۔

رسالہ فضائل الشہود میں لکھا ہے کہ ماہِ شوال میں نوافل پڑھنے کا بھی بہت ثواب ہے۔ نوافل کی ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد زیادہ سورۃ اخلاص اور سلام پھیرنے کے بعد زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھنے کا بے حساب ثواب ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''شوال کی پہلی رات فرشتے نازل ہو کر آواز دیتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ کے بندو! تمہیں خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس لئے بخش دیا ہے کہ تم نے رمضان کے روزے رکھے۔''

آغاز شوال اور عید کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا عمل مبارک:

جب رمضان ختم ہوتا اور یکم شوال ہوتا تو عید کے دن نبی اکرم ﷺ غسل فرماتے اور صاف اور اجلا لباس زیب تن فرماتے۔ پھر عید گاہ میں عیدالفطر کی نماز پڑھنے کے لیے روانہ ہونے سے قبل چند کھجوریں تناول فرماتے جن کی تعداد طاق ہوتی۔ آپؐ عید گاہ تک پیدل تشریف لے جاتے عید گاہ جس راستے سے تشریف لے جاتے واپسی پر راستہ تبدیل فرماتے۔ عیدوں پر کثرت سے تکبیروں کا حکم فرماتے۔ راستے میں چلتے وقت آہستہ تکبیر فرماتے۔ حضور اکرم ﷺ مسجد نبویؐ کے باہر میدان میں تشریف لے آتے جو عید گاہ تھی۔ نبی اکرم ﷺ نماز عیدالفطر سے قبل فطرانہ کی رقم ادا کرنے کا حکم صادر فرماتے۔

ضرورت ہے

انگوری باغ سکیم (شالیمار لنک روڈ نزد شالیمار باغ، لاہور) میں واقع ایک یتیم خانہ میں بچوں کو ناظرۂ قرآن اور بنیادی عربی گرامر پڑھانے کے لیے تنظیم اسلامی سے وابستہ قاری اور عربی کے معلم کی ضرورت ہے۔ معقول معاوضہ دیا جائے گا۔

وقت تدریس: نماز عصر تا مغرب۔

برائے رابطہ: محمد عظیم 0321-4630894

جمہوریت: اقبال کی نگاہ میں

ڈاکٹر حافظ خالد محمود ترمذی

اگر تاجِ کے جمہور پوشد
ہمہ ہنگامہ ہا در انجمن ہست

ارسطو نے نظامہائے حکومت کی چھ قسمیں بیان کی ہیں۔ وہ اپنی کتاب "Politics" میں لکھتا ہے کہ حکومتیں حاکموں کی تعداد کے لحاظ سے تین قسم کی ہوتی ہیں۔1۔بادشاہت(kingdom)، جس میں فردِ واحد حکمران ہوتا ہے۔ 2۔Aristocracy، جس میں ایک سے زیادہ حکمران ہوتے ہیں۔3۔Polity، جس میں کئی حاکم ہوتے ہیں۔اب مذکورہ سہ اقسام میں سے ہر ایک پھر دو قسم کی ہوسکتی ہیں، اچھی یا بری۔ مملکت کی مثال ایک ایسے معاشرے کی سی ہے جس کا وجود افراد کی فلاح و بہبود کا ضامن ہو۔ اگر اختیارات کو معاشرے کے افراد کی بھلائی کے لیے استعمال کیا جائے تو وہ ایک فلاحی ریاست کی مثال ہے اور اگر اقتدار و اختیار کو محض حاکم کے مفاد کے لیے استعمال کیا جائے تو وہ ایک بُرا اور انحطاط پذیر نظام حکومت ہوگا۔

جب بادشاہت کو گھن لگ جاتا ہے اور وہ محض بادشاہ کے مفاد کے لیے وقف ہو کر رہ جاتی ہے تو اس میں عدل وانصاف مفقود ہو جاتا ہے اور ظلم و تعدی کی ہر طرف حکمرانی ہوتی ہے۔ یہ ظالم حکومت Aristocracy میں بدل جاتی ہے اور جب Aristocracy کو زوال آتا ہے تو یہ Oligarchy (چند سری حکومت) میں تبدیل ہو جاتی ہے، جس میں چند تاجرانہ ذہنیت کے مالک افراد ملک کو دشمن کے ہاتھوں فروخت کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اسی طرح جب (Polity) کا انحطاط ہوتا ہے تو وہ جمہوریت (Democracy) کا روپ دھار لیتی ہے، جسے عوام کی حاکمیت یا جمہور کی حکومت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی جمہوریت Polity کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

جمہوریت کے متعلق کلامِ اقبال میں موافق اور مخالف دونوں قسم کے تصورات ملتے ہیں۔ کیونکہ جمہوریت بھی ان مبہم تصورات کی طرح ہے جن کے کوئی معنی معین نہیں ہیں، جیسے دہشت گردی وغیرہ۔ جمہوریت کی جو تعریف ابراہیم لنکن نے کی ہے، وہ کافی معروف اور مقبول ہے یعنی ’’عوام کی حکومت، عوام (کی بھلائی) کے لیے، عوام کے ذریعے‘‘ (Govt. of the people, for the people, by the people) جمہوریت کے ایک مزاحیہ نقاد نے اس کی بڑی خوبصورت پیراڈی کی ہے Govt. of the cattle, for the cattle, by the cattle اس قسم کی حکومت قدیم دنیا میں بھی کہیں کہیں رہی ہے۔ یونان کی یک شہری مملکتوں میں اس کے نمونے ملتے ہیں۔ ایتھنز میں ایک عرصے تک اسی انداز کی حکومت رہی، لیکن ان مملکتوں میں جمہوریت کے انداز مختلف تھے۔ رومۃ الکبریٰ ابتدائی دور میں ایک ری پبلک تھی، لیکن سینیٹ میں صرف اونچے خاندانوں ہی کے نمائندے قانون ساز تھے اور وہی حکمران تھے۔ سلطنت کی وسعت اور امراء کی باہمی کشمکش کی وجہ سے آخرکار یہ جمہوریت بادشاہت میں تبدیل ہو گئی اور بادشاہ دیوتاؤں کی طرح پوجے جانے لگے۔

اسی طرح یورپ میں جب حالات نے کروٹ لی تو شاہ اور جاگیرداروں کے اقتدار کے خلاف پہلے تاجروں اور سرمایہ داروں نے احتجاج شروع کیا، عوام سارے معاملے میں کہیں نظر نہیں آتے۔ برطانیہ میں جب پارلیمانی حکومت کی ابتدا ہوئی تو وہ بھی جاگیرداروں اور بادشاہ کی باہمی آویزش کا نتیجہ تھا۔ شہنشاہیت وہاں اس قدر مضبوط نہ تھی کہ جاگیرداروں کی سرکوبی کر سکے۔ چنانچہ جاگیرداروں نے مل کر شہنشاہ کو بے بس کر دیا اور شاہ جارج سے وہ دستاویز حاصل کی جسے میگنا کارٹا کہا جاتا ہے۔ برطانیہ کی پارلیمنٹ کو یورپ میں قدیم ترین پارلیمنٹ ہونے کی وجہ سے ام المجالس کہا جاتا ہے۔ مگر ابتدا میں یہ وہ جمہوریت نہ تھی جو دورِ حاضر میں عوام وخواص کا نصب العین بن گئی ہے۔ یہ جاگیرداروں کی مجلس شوریٰ تھی، جو بادشاہ کے مقابلے میں اپنے حقوق کی حفاظت کرتے تھے۔ عوام کے نمائندوں کو اس میں کوئی بار حاصل تھا، نہ اس قسم کا کوئی تصور ہی موجود تھا۔

یورپ میں جاگیرداروں اور شاہوں کا زور تاجروں اور سرمایہ داروں نے توڑا۔ برطانیہ میں صنعتی انقلاب کی بدولت کارخانہ دار اور تاجر بے انتہا امیر ہو گئے تو انہوں نے جاگیرداروں کو اقتدار سے محروم کر دیا۔ برطانیہ میں بادشاہ موجود رہا لیکن شاہ شطرنج بن کر، اور دارالامراء بھی قائم رہا لیکن رفتہ رفتہ وہ قانون سازی میں بے اثر ہو کر رہ گیا، حتیٰ کہ جارج پنجم کے دَور میں دارالعوام اور دارالامراء کے درمیان رسہ کشی کے نتیجے میں دارالامراء محض امراء کے اظہارِ خیال کا اڈہ بن کر رہ گیا۔ اس مضمون کو اقبال نے یوں اشعار کا جامہ پہنایا ہے ؂

سنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں
پرانے جھونپڑوں میں ہے ٹھکانا دستکاروں کا
مگر سرکار نے کیا خوب کونسل ہال بنوایا
کوئی اس شہر میں تکیہ نہ تھا سرمایہ داروں کا

مگر ابھی تک دارالعوام حقیقی دار العوام نہ تھا۔ لیبر پارلیمنٹ کے غلبے سے پہلے اسمبلی میں جو نمائندے آتے تھے وہ سرمایہ کے زور پر آتے تھے۔ میکڈونلڈ اور اٹیلی جیسے مفلس اس میں بصد مشکل داخل تو ہو سکتے تھے لیکن اقتدار میں شریک نہ تھے۔ یورپ اور دوسرے ممالک میں جو پارلیمانی حکومتیں قائم ہوئیں ان کا بھی یہی حال تھا کہ زیادہ تر ان میں سرمایہ داروں کی جنگ زرگری ہوتی تھی، یہاں تک کہ امریکہ کی ڈیموکریسی ڈالر ڈیموکریسی اور برطانیہ کی جمہوریت پاؤنڈ ڈیموکریسی کے نام سے مشہور ہوئی۔

انقلاب فرانس کا نعرہ ’’آزادی، برادری اور برابری‘‘ سرمایہ داروں اور ملوکیت کے حامیوں نے اپنی اغراض کے لیے بلند کیا۔ محنت کش اس فریب میں آگئے کہ یہ تصورات ان کے دکھوں کا مداوا کر دیں گے۔ یہ فریب اب تک چلا آتا ہے۔ عوام اس پر خوش ہیں کہ حکومت ہماری ہے اور حکمرانوں کے انتخاب میں ایک مزدور اور محنت کش کا بھی ایک ووٹ ہے اور منتخب شدہ صدر جمہوریہ کا بھی ایک ہی ووٹ ہے۔ یہ سطحی مساوات عوام کو ایسے فریب میں مبتلا کرتی ہے کہ کسی کو بھی جمہوریت پر بے حقیقی ہونے کا شک نہیں ہوتا، لیکن

اقبال نے اس فریب کو بے نقاب کرتے ہوئے جمہوریت کو محتاجوں کے لیے مسکرات قرار دیا۔ بعینہٖ اُسی طرح جیسے اشتراکی مذہب کو غریبوں کے لئے افیون کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دارِ حیلہ گر
شاخِ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات!
دستِ دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات
نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
''خواجگی'' نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
کٹ مرا ناداں خیالی دیوتاؤں کے لیے
سُکر کی لذت میں تو لٹوا گیا نقدِ حیات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

اقبال جمہوریت کو ملوکیت ہی کی ایک شکل سمجھتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے جبر و استبداد مطلق العنان بادشاہ کرتے تھے، اب بھیس بدل کر جمہوری حکومتیں کر رہی ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طبِ مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری!
گرمیٔ گفتارِ اعضائے مجالس الاماں
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگِ زرگری!

ایک جگہ جمہوریت کو ملوکیت کا پردہ قرار دیتے ہیں ؎

خیر ہے سلطانیٔ جمہور کا غوغا کہ شر؟
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر!
ہوں، مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پردہ ہو کیا اس سے خطر!
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خودنگر
کاروبارِ شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجودِ میر و سلطاں پر نہیں ہے منحصر
مجلسِ ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطاں، غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر!
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام؟
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر!

علامہ اقبال جمہوریت کو نظامِ حکومت کی بہترین شکل نہیں سمجھتے جیسے کہ پچھلی صدی کے اواخر میں اسے بہترین نظامِ حکومت تصور کیا جاتا تھا، بلکہ وہ جمہوریت کے اُن یورپی ناقدین کے ہمنوا ہیں جنہوں نے پچھلی صدی کے اوائل ہی میں اس طرزِ حکومت پر سخت حملے کیے ہیں، جن میں نطشے، شپنگلر، سٹوورڈ اور میکڈونلڈ جیسے لوگ شامل ہیں۔ ان مفکرین کی جمہوریت مخالفت کی بعض دلیلیں بڑی وزنی ہیں:

(1) جمہوری حکومت متوسط اور کم صلاحیتوں کے حامل لوگوں کی حکومت ہوتی ہے۔

(2) جمہوریت میں اعلیٰ دماغ اور شخصیتوں کو اظہار کا موقع نہیں ملتا، جس کی وجہ سے ذہن و فکر کی تربیت مسدود ہو جاتی ہے۔

(3) جمہوریت جماعتوں اور فرقوں کی بے انتہا کثرت کا باعث بنتی ہے۔ جمہور کا یہ غلبۂ عام اور عوام کی مطلق العنانی کسی نظام کو بھی پائیدار اور مستحکم نہیں ہونے دیتی اور آئے روز کے انقلابات اور سریع الوقوع تغیرات قومی تعمیر اور انسانی ترقی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔

علامہ اقبال بھی ان دلائل کو اپنے اشعار میں پیش کرتے ہیں۔ پہلی دلیل کے حوالے سے فرماتے ہیں ؎

متاعِ معنیٔ بیگانہ از دوں فطرتاں جوئی؟
ز موراں شوخیٔ طبعِ سلیمانے نمی آید
گریز از طرزِ جمہوری، غلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

دوسری دلیل کی ترجمانی اس طرح کرتے ہیں ؎

اس راز کو اک مردِ فرنگی نے کیا فاش!
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

ضربِ کلیم میں ''سیاستِ افرنگ'' کے عنوان سے فرماتے ہیں: ؎

تری حریف ہے یا رب سیاستِ افرنگ
مگر ہیں اس کے پجاری فقط امیر و رئیس!
بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تو نے
بنائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس!

جاوید نامہ میں ''حکومتِ الٰہی'' کے عنوان سے فرماتے ہیں کہ جمہوریت و ملوکیت میں ایک ہی روح کارفرما ہے۔

قاہری را شرع و دستورے دہد
بے بصیرت سرمہ با کورے دہد!
حاصلِ آئین و دستورِ ملوک!
دہ خدایاں فربہ و دہقاں چو دوک!
وائے بر دستورِ جمہورِ فرنگ
مردہ تر شد مردہ از صورِ فرنگ

آل انڈیا ریڈیو لاہور کی استدعا پر یکم جنوری 1930ء کو سال نو کے موقع پر علامہ اقبال نے جو پیغام دیا تھا، اس کا ایک ایک لفظ انسانیت دوستی اور جمہوریت دشمنی کے جذبات سے لبریز ہے۔ فرماتے ہیں:

''دورِ حاضر کو علومِ عقلیہ اور سائنس کی عدیم المثال ترقی پر بڑا فخر ہے اور یہ فخر و ناز یقیناً حق بجانب ہے۔ آج زمان و مکاں کی پہنائیاں سمٹ رہی ہیں اور انسان نے فطرت کے اسرار کی نقاب کشائی اور تسخیر میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی ہے، لیکن اس تمام تر ترقی کے باوجود اس زمانے میں ملوکیت کے استبداد نے جمہوریت، قومیت، اشتراکیت، فسطائیت اور نہ جانے کیا کیا نقاب اوڑھ رکھے ہیں۔ ان نقابوں کی آڑ میں دنیا بھر میں قدرِ حریت اور شرف و انسانیت کی ایسی مٹی پلید ہو رہی ہے کہ تاریخ عالم کا کوئی تاریک سے تاریک صفحہ بھی اس کی مثال پیش نہیں کرسکتا۔ جن نام نہاد مدبروں کو انسانوں کی قیادت اور حکومت سپرد کی گئی ہے وہ خون ریزی، سفاکی اور زبردست آزاری کے دیو ثابت ہوئے۔''

آگے چل کر فرماتے ہیں:

''وحدت صرف ایک ہی معتبر ہے اور وہ بنی نوع انسان کی وحدت ہے، جو نسل و زبان و رنگ سے بالاتر ہے۔ جب تک اس نام نہاد جمہوریت، اس ناپاک قوم پرستی اور اس ذلیل ملوکیت کی لعنتوں کو پاش پاش نہ کر دیا جائے گا، جب تک انسان اپنے عمل کے اعتبار سے ((الخلق عیال اللہ)) کے اصول کا قائل نہ ہوگا، جب تک جغرافیائی وطن پرستی اور رنگ و نسل کے امتیازات کو نہ مٹایا جائے گا، اس وقت تک انسان اس دنیا میں فلاح و سعادت کی زندگی بسر نہ کرسکیں گے اور اخوت، حریت اور مساوات کے شاندار الفاظ شرمندۂ معنی نہ ہو سکیں گے۔''

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے، تو رہ جاتی ہے چنگیزی!

اُردو زبان اور کالے انگریز

اخذ و ترتیب: سید محمد افتخار احمد

93ھ/711ء محمد بن قاسمؒ نے ہندوستان کے مغرب میں سندھ کو فتح کیا اور ملتان تک جا پہنچا۔ اس کے زیر اثر سندھی زبان میں عربی الفاظ کی کثرت ہے اور یہ عربی حروف ہی میں لکھی جاتی ہے۔ دوسری صدی ہجری میں عرب مسلمان ہندوستان کے جنوب میں تاجروں کی حیثیت سے پہنچے۔ ملیبار (کالی کٹ) ان کا سب سے بڑا تجارتی مرکز تھا۔ ملیالم زبان میں کثرت سے عربی الفاظ موجود ہیں۔ اس کے بعد گیارھویں صدی عیسوی میں مسلمان ہندوستان کے شمال کی طرف سے داخل ہوئے۔ صوبہ پنجاب غزنوی حکومت کا صوبہ رہا ہے۔ اس طرح سے ہندی زبان میں عربی الفاظ کم، فارسی الفاظ زیادہ شامل ہوئے۔ محمود کے بعد محمد غوری نے اس علاقہ پر قبضہ کر لیا اور ہندوستان میں قطب الدین ایبک کو مستقل صوبیدار بنا دیا۔ 1206ء میں محمد غوری کی وفات پر قطب الدین ایبک نے سلطان کا لقب اختیار کر کے ہندوستان میں ایک اسلامی حکومت قائم کر دی۔ اس وقت پنجاب میں پنجابی زبان بولی جاتی تھی جو پراکرت اور سنسکرت کی مسخ شدہ حالت میں موجود تھی۔ اسے عموماً ہندی کہا جاتا تھا۔ جب دہلی میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی تو ایک نئی مخلوط بولی وجود میں آئی جسے ابتدا میں ہندی پھر ریختہ (ملی جلی زبان) کا نام دیا گیا۔ دہلی میں جنم لینے والی یہ بولی درویشوں اور سلاطین کے ذریعے حیدر آباد دکن میں پہنچی۔ وہاں اس کے قواعد و ضوابط ترتیب دیئے گئے تو یہ دکنی اُردو کہلانے لگی۔ جو شروع ہی سے فارسی رسم خط میں لکھی جانے لگی امیر خسروؒ (651ھ تا 725ھ) کے کلام میں اُردو کے کافی الفاظ ملتے ہیں۔

علی عادل شاہ ثانی (1067ھ تا 1087ھ) کے عہد میں دکنی اُردو کو خوب فروغ ہوا۔ دکنی اُردو کا تیسرا مرکز گولکنڈہ تھا۔ قطب شاہی علم و ہنر کے بہت قدردان تھے۔ بہمنی سلطنت کے زوال پر اس کی پانچ خود مختار سلطنتیں قائم ہوگئیں، مگر سبھی نے اُردو کی سرپرستی کی۔ گجرات و دکن میں اُردو کی ترویج و فروغ کا یہ تذکرہ اورنگ زیب کے عہد تک پہنچتا ہے۔ ہندی کے مشکل الفاظ کم ہوتے گئے اور عربی فارسی کے الفاظ بڑھتے گئے۔ اس طرح مناسب توازن بھی پیدا ہوگیا۔ دہلی اور لکھنؤ کے شعراء نے اُردو کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ پھر اقبال نے اپنے کلام سے اُردو زبان کا مرتبہ اتنا بلند کر دیا جو اس سے پہلے اسے نصیب نہیں ہوا تھا۔ وہ بلاشبہ شاعرِ مشرق کے خطاب کے مستحق ہیں۔

جدید اُردو نثر کی بنیاد فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں پڑی۔ یہ کالج لارڈ ولزلی نے 4 مئی 1800ء میں قائم کیا تھا۔ اس کا مقصد انگریزوں کو تعلیم دینا تھا جو انگلینڈ سے ہندوستان بھیجے جاتے تھے، تاکہ انہیں اس ملک کی زبان، خیالات، رسم و رواج سے آگاہی ہو جائے۔ کیونکہ ان کا تقرر ذمہ دار عہدوں پر ہوتا تھا۔ اُردو اس وقت قریباً پورے ہندوستان کی زبان تھی، اس لیے اُردو میں سادہ اور روزمرہ کی زبان لکھنے کا ڈھنگ ڈالا گیا۔ لغت اور صرف و نحو کے قواعد جدید طرز میں تحریر کئے گئے۔ کالج میں نستعلیق ٹائپ کا مطبع قائم کیا گیا۔ اس سب کام کا سہرا کالج کے ڈائریکٹر جان گل کرائسٹ کے سر ہے۔ اس نے اُردو میں کافی دلچسپی لی۔

ایک اور ادارہ جس نے اُردو زبان اور اس وقت کے نظام تعلیم میں انقلاب پیدا کیا ''دہلی کالج'' تھا۔ اس کی تین خصوصیات تھیں: 1- ایک ہی درس گاہ میں مشرق و مغرب کے علوم و ادب ساتھ ساتھ پڑھائے جاتے تھے۔ 2- اس درس گاہ کا ذریعہ تعلیم اُردو تھا۔ تمام مغربی علوم اُردو ہی میں پڑھائے جاتے تھے۔ 3- اس درس گاہ میں ایک مجلسِ ترجمہ (ٹرانسلیشن سوسائٹی) تھی جو کالج کے طلبہ کے لئے انگریزی سے اُردو میں درسی کتابوں کے ترجمے یا تالیف کا کام کرتی تھی۔ افسوس کہ یہ درس گاہ 1857ء میں جنگ آزادی کے دوران بالکل تباہ و برباد ہوگئی۔

ہندو قوم قریباً 1000 سال تک مسلمانوں کے تابع رہی تھی۔ اور انگریز نے مسلمانوں سے حکومت چھینی تھی، اس لیے دونوں نے مسلمانوں کو دبانا اور ان سے نفرت شروع کر دی۔ ہندوؤں کی مسلمانوں سے نفرت اور بغض کا یہ عالم تھا کہ انگریزوں سے آزادی حاصل کرتے ہی لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا۔ لاکھوں عورتوں اور بچوں پر ایسا ظلم کیا جو ناقابل بیان ہے۔ انہوں نے دوسرا کاری وار کشمیر، حیدر آباد دکن، جوناگڑھ اور مُناباؤ (یا مناوادر) کے علاقوں پر زبردستی قبضہ کی صورت میں کیا۔ تیسرا وار مسلمان نوابوں اور جاگیرداروں کی املاک کو بحق حکومتِ ہند ضبط کرنا تھا۔ ہندو نے چوتھا وار اُردو زبان پر کیا کہ رسم الخط اور عربی فارسی کے الفاظ ہندی یا سنسکرت میں تبدیل کر دیئے۔ عربی، فارسی، ترکی کے الفاظ اُردو سے نکال دیئے اور ہندی سنسکرت کے الفاظ داخل کر دیئے۔ اُردو سے نام بھی ہندی کر دیا گیا۔ اب صرف حیدر آباد دکن میں اُردو اپنی اصلی حالت میں بطور اُردو زبان زندہ ہے۔ پانچواں وار مسلمانوں کے رسم و رواج اور ثقافت پر کیا گیا، جس کا اثر پاکستانی معاشرے پر بھی ہوا۔ بدقسمتی سے آزاد میڈیا اور سیکولر ذہن رکھنے والے پاکستانی مسلمانوں نے اس کام میں ہندوستان کی بہت مدد کی۔ ہندو نے چھٹا وار پاکستان کی وحدت پر کیا، جس نے پاکستان کو دولخت کر کے مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنا دیا۔ پاکستان کے مسلمانوں پر پاکستان کے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے بھی ہندو کی طرح وار کیے۔ یہی لوگ پاکستانی سیاست پر چھائے ہوئے ہیں۔ یہی حکومتیں بناتے ہیں اور یہ جب حکومت میں ہوتے ہیں تو ہندو کے قدموں پر سر رکھنے کے لیے بے چین ہوتے ہیں۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

میرا یہ حال بوٹ کی ٹو چاٹتا ہوں میں
ان کا یہ حکم دیکھ! میرے فرش پہ نہ رینگ

پاکستانی قوم کی یہ بدقسمتی ہے کہ گورے انگریز جاتے ہوئے کالے انگریز اپنی معنوی ذریت کی صورت میں یہاں چھوڑ گئے۔ گورے انگریزوں نے تو اُردو کو فروغ دیا، مگر پاکستانی آئین میں 10 سال کی مدت تحریر ہونے کے باوجود کالے انگریزوں نے اُردو کو 65 سالوں میں بھی اپنا جائز مقام دینے کی اجازت نہیں دی۔

رمضان، قرآن اور پاکستان

خلافت فورم میں فکر انگیز مذاکرہ

شرکاء: بریگیڈیئر ڈاکٹر غلام مرتضیٰ، ایوب بیگ مرزا

میزبان: وسیم احمد

سوال: آپ نے حال ہی میں ایک مضمون تحریر کیا ہے جس کا عنوان ہے رمضان، قرآن اور پاکستان۔ رمضان اور قرآن کا باہمی تعلق تو واضح ہے، کیا پاکستان کا نام محض قافیہ ملانے کے لیے استعمال کیا گیا ہے یا پھر اس کا قرآن اور رمضان سے کوئی حقیقی تعلق ہے؟

ایوب بیگ مرزا: بات قافیہ ملانے کی نہیں ہے بلکہ حقیقت پر مبنی ہے جس کا ایک خاص پس منظر ہے۔ جب چھٹی صدی عیسوی میں حضور اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی تو آپؐ کی زندگی میں ہی جزیرہ نما عرب میں اسلام پھیل چکا تھا۔ آپؐ کے اس دُنیا سے رخصت ہونے کے بعد خلفائے راشدینؓ کے دورِ حکومت میں اسلام عرب سے نکل کر شمالی افریقہ سے یورپ کے دروازے (یعنی سپین) تک جا پہنچا۔ ہمارے عوام میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ امریکہ اور مغربی اقوام کا سائنس و ٹیکنالوجی پر تسلط اور دنیا پر غلبہ کئی صدیوں سے ہے، حالانکہ امریکہ کو سپر پاور بنے جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں اور اُس کا زوال بھی شروع ہو چکا ہے۔ امریکہ کے برعکس تاریخی لحاظ سے مسلمان ایک سپر پاور کی حیثیت سے دنیا میں طویل عرصہ حکومت کر چکے ہیں۔ پھر یہ کہ اُن کا یہ معاملہ رہا ہے کہ جب کبھی ایک جگہ اُن پر زوال آیا تو وہ دوسری جگہ سے ایک سپر طاقت کی حیثیت سے اُبھر کر سامنے آ گئے۔ مثلاً اسپین میں مسلمانوں کے زوال کے بعد دنیا نے دیکھا کہ مسلمان برصغیر میں مغل حکمرانوں کی حیثیت سے اُبھر کر سامنے آ گئے۔ اسی طرح مسلمانوں میں ایسے افراد بھی پیدا ہوئے جو تاریخ میں عظیم فاتح کہلائے۔ مثلاً تیمور لنگ دُنیا کے تین عظیم فاتحین میں سے ایک ہے۔ تیمور لنگ نے اپنی زندگی میں 29 ممالک کو فتح کیا تھا۔ میرا اس لمبی تمہید باندھنے کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ اسلام اور مسلمان اس دنیا میں ایک سپریم طاقت کی حیثیت سے طویل عرصے تک حکمران رہے ہیں۔ لیکن اپنی بداعمالیوں کے سبب 17ویں صدی میں مسلمانوں کا پوری دُنیا میں زوال شروع ہو گیا۔ نتیجتاً تمام مسلم ممالک مغرب کی غلامی میں چلے گئے۔ اُس دور میں خلافت عثمانیہ قائم تو تھی لیکن اُس وقت مرکز کا اپنا یہ حال ہو چکا تھا کہ ترکی کو یورپ کا مردِ بیمار کہا جاتا تھا۔ پھر 18ویں اور 19ویں صدی میں مسلمان ممالک کے اندر مغرب سے نجات پانے کے لیے آزادی کی تحریکوں نے انگڑائیاں لینا شروع کیں۔ عالم عرب میں آزادی کی تحریکوں نے عرب نیشنل ازم کا نعرہ لگایا۔ یعنی تمام عرب ممالک میں مسلمانوں نے نسل پرستی کی بنیاد پر آزادی حاصل کی تھی۔ اس کے مقابلے میں برصغیر میں مسلمانوں کا معاملہ بالکل اس کے برعکس تھا۔ برصغیر میں مسلم لیگ نے 1906ء میں ڈھاکہ میں نواب وقار الملک کے گھر جنم لیا تھا۔ جبکہ انگریزوں کی بنائی ہوئی خود ساختہ ہندو جماعت کانگریس اس سے کافی عرصہ بیشتر 1885ء میں معرضِ وجود میں آ چکی تھی۔ کانگریس میں شامل ہندو اور مسلمان شروع میں اکٹھے ہو کر انگریزوں سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ 1857ء کی جنگِ آزادی (جسے انگریز Mutiny یعنی غدر کا نام دیتا ہے۔) بھی تمام قوموں مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں نے لڑی تھی لیکن سکھوں کے ایک گروکی غداری کے نتیجہ میں یہ جیتی ہوئی جنگ ناکامی میں بدل گئی۔ جنگ آزادی میں ناکامی کے باوجود مسلمانوں نے امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، اور اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ جس کے نتیجہ میں 1940ء میں لاہور میں قراردادِ لاہور پاس ہوئی، جس کے بعد صحیح معنوں میں برصغیر میں مسلمانوں کی تحریک آزادی کا آغاز ہوا، جسے تحریک پاکستان کا نام دیا گیا تھا۔ یہ دنیا کی واحد تحریک تھی جو مذہب سے جڑی ہوئی تھی، جس کا نعرہ ''پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ'' تھا۔ اس تحریک کا مقصد خالصتاً ایک اسلامی مملکت قائم کرنا تھا۔ اسی ریاست کے قیام کی بات 1930ء میں علامہ اقبالؒ اپنے خطبہ الٰہ آباد میں کر چکے تھے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے خطبہ میں ہندوستان کے شمال مغربی علاقہ کے علاوہ مشرقی حصہ کا بھی ذکر کیا تھا۔ اگرچہ انہوں نے پاکستان کا لفظ استعمال نہیں کیا تھا، مگر واضح الفاظ میں ایک آزاد مسلم ریاست کے وجود میں آنے کا خواب مسلمانوں کو دکھا دیا تھا۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تحریک خالصتاً دین و مذہب کے نام پر نہ صرف اُٹھی بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے رمضان المبارک کی 27ویں شب کو کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور ہمارا ملک پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ رمضان کی 27ویں شب کے بارے میں گمان غالب ہے کہ یہ لیلۃ القدر ہے جس میں قرآن پاک کا نزول ہوا۔ لہٰذا اس روحانی حوالے سے پاکستان رمضان اور قرآن پاک کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔

سوال: بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ اکثر و بیشتر فرمایا کرتے تھے کہ پاکستان کا قیام ایک معجزہ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلم لیگ 1906ء میں معرضِ وجود میں آئی اور اُس نے طویل سیاسی جدوجہد کے نتیجہ میں یہ ملک حاصل کیا۔ پھر قیام پاکستان کو معجزہ کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: 1906ء میں قائم ہونے والی مسلم لیگ درحقیقت اُس وقت کی ایک مسلم ایلیٹ کلاس کی جانب سے ایک کلب کی صورت میں قائم ہوئی تھی۔ اس سے پہلے پورے برصغیر میں آزادی کی تحریک کے حوالے سے صرف ایک جماعت کانگریس ہی کا وجود تھا، جس میں تمام مذاہب کے لوگ شامل تھے۔ قائداعظم بھی شروع میں کانگریس کے رکن تھے لیکن کانگریس میں مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کو دیکھتے ہوئے وہ اُس سے علیحدہ ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ لیکن جب قائداعظم نے مسلم لیگ کو بھی صحیح رُخ پر گامزن ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تو وہ دل برداشتہ ہو کر لندن روانہ ہو گئے تھے۔ درحقیقت پاکستان کی تحریک میں جو پس پردہ جذبہ تھا وہ علامہ اقبالؒ کی ملی شاعری تھی۔ نیز خطبہ الٰہ آباد میں علامہ اقبال نے پاکستان کا تصور دیا جس کے مطابق ہندوستان کے شمال مغربی سرحدی علاقہ اور مشرق میں بنگلہ دیش پر مشتمل ایک آزاد اسلامی ریاست کا قیام ہونا تھا، تاکہ دنیا کے سامنے اسلام کا عملی نمونہ پیش کیا جا سکے۔ گول میز کانفرنس کے موقع پر علامہ اقبال لندن میں قائداعظم سے بھی ملے اور اُنھیں برصغیر میں اسلامی ریاست کے قیام کے حصول کی جدوجہد میں مسلمانوں کی رہبری کے لیے ہندوستان واپس آنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ قائداعظم واپس برصغیر آئے اور ایک مسلم قائد کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوئے۔ قائداعظم کے بارے میں اُن کے دشمن بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ نہایت دیانت دار، امانت دار، پُرخلوص اور انتھک محنت کرنے والے شخص تھے۔ اُن کی کاوشوں سے 1940ء سے 1947ء تک کے سات سالوں میں تحریک پاکستان

ابھر کر سامنے آئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود پاکستان کا قیام اس لیے معجزانہ قرار دیا جاتا ہے کہ بظاہر حالات قیام پاکستان کے لیے سازگار نہ تھے۔ مثلاً پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کی حکومت تھی جو مسلم لیگ کے خلاف تھی۔ اسی طرح سرحد میں باچا خان کانگریس کے حامی تھے۔ بلوچستان میں اُس وقت بھی قوم پرست موجود تھے جیسا کہ آج کل موجود ہیں۔ اس قدر مخالفت کے باوجود مسلم عوام نے نہ صرف مسلم لیگ کا ساتھ دیا بلکہ بھاری اکثریت سے اُسے کامیابی سے ہمکنار کروایا۔ جبکہ دوسری طرف نہ تو انگریز قیام پاکستان کے حق میں تھا اور نہ ہندو ہی یہ چاہتا تھا کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ ہندو کے لیے یہ دھرتی ماتا کی تقسیم کا معاملہ تھا۔ متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی نمائندگی کے حوالے سے نہرو کی زبان سے نکلنے والے یہ الفاظ کہ ''ایک دفعہ ہندوستان آزاد ہو جائے پھر دیکھیں گے'' نے ہندوؤں کے عزائم کو واضح کر دیا تھا، لہٰذا قائداعظم ہوشیار ہو گئے اور مسلم لیگ نے وزارتی مشن پلان سے مکمل علیحدگی اختیار کر لی۔ ان تمام عوامل کو اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو پاکستان کا بننا کسی بھی بڑے معجزے سے کم نہ تھا۔ عرب ممالک میں صورت حال بالکل مختلف تھی۔ وہاں آزادی کی تحریک سے صرف اپنے اپنے ملک سے انگریزوں کو نکالنا مقصود تھا۔ جبکہ ہندوستان میں ایک بالکل علیحدہ مسلم ملک معرضِ وجود میں آ رہا تھا۔ اسی طرح اور بہت سے ایسے محرکات ہیں جو پاکستان کی خصوصی حیثیت پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً پاکستان رمضان کی 27ویں شب قائم ہوا۔ جس کے بارے میں گمان غالب ہے کہ یہ لیلۃ القدر ہے۔ اسی طرح بہت سے علماء دین اور بزرگانِ دین کے وہ خواب ہیں، جس میں اُنھیں پاکستان کے حوالے سے بشارتیں دی گئی تھیں۔

سوال: نظریہ پاکستان کے حوالے سے بعض سیکولر عناصر کا یہ کہنا ہے کہ یہ اصطلاح یحییٰ خان کے دور سے استعمال ہونا شروع ہوئی ہے۔ ان کی یہ بات کس حد تک درست ہے؟

ایوب بیگ مرزا: کہا یہی جاتا ہے کہ یحییٰ خان کے ایک وزیر شیر علی خان نے سب سے پہلے یہ اصطلاح استعمال کی تھی۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے ہم اس بات کو بھول جائیں کہ یہ اصطلاح کس نے اور کس کے دور میں استعمال کی تھی، یہ سیکولر عناصر مجھے صرف یہ بتا دیں کہ پاکستان بننے میں دو قومی نظریہ کی بات شامل تھی یا نہیں تھی۔ تمام مکاتبِ فکر کے لوگ یہی کہیں گے کہ شامل تھی۔ پھر یہ بتایا جائے کہ دو قومی نظریہ میں دو بڑی قومیں کون کون سی تھیں؟ سب کہیں گے کہ ایک قوم ہندو تھی اور ایک مسلمان تھے۔ لہٰذا یہ بتایا جائے کہ مسلمانوں کا ایک علیحدہ ملک کا مطالبہ کس بنیاد پر تھا۔ ظاہر بات ہے کہ یہ مطالبہ مسلمان ہونے کی بنیاد پر تھا۔ اب یہ اور بات ہے کہ اگر کوئی سمجھنا ہی نہ چاہے تو اس کو سمجھانا ممکن نہیں۔ جان لیجیے کہ نظریہ پاکستان کی اصطلاح اسلام کے حوالے سے ہی ہے اور آغاز سے یہ اصطلاح قائم ہے۔

سوال: آزادی بلاشبہ ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ ہم اپنے 65 سال گزرنے کے باوجود ابھی تک معاشی معاشرتی اور سیاسی طور پر غلام چلے آتے ہیں۔ کیا کبھی ہمیں حقیقی آزادی نصیب ہو سکے گی؟

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: آزادی کا لفظ موجودہ دور میں Relative Term کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ آج کے دور میں تمام ممالک اپنے اپنے مفادات کے حصول کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ معاہدات وغیرہ کرتے ہیں۔ اگر دنیا میں آج کسی بھی ملک کو مکمل خود مختار کہا جائے تو یہ صحیح نہ ہوگا بلکہ آج کی سپر پاور امریکہ میں بھی مکمل خود مختاری کا تصور موجود نہیں ہے۔ امریکہ بھی اپنے مفادات کے حصول کے لیے مختلف ممالک کے ساتھ سمجھوتے کرتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو ملک جس خاص مقصد کے لیے معرضِ وجود میں آئے وہ اس مقصد کے حصول پر بھی مضبوطی کے ساتھ قائم ہو۔ وہاں سب سے پہلے اس نظریہ کو ملک میں نافذ کیا جائے اور پھر اپنے تمام مسائل اُس نظریہ کے مطابق حل ہونے چاہئیں۔ اب اگر آج ہماری کوئی بنیاد ہی نہ ہو اور ہم اپنے کسی نظریہ پر ہی قائم نہ ہوں تو پھر ہم کیسے اپنے مفادات کا تحفظ کر سکتے ہیں۔ پھر تو ہر ملک ہمیں اپنے مفادات کے لیے استعمال کرتا رہے گا، اور ہم بے پیندے کے لوٹے کی مانند اِدھر اُدھر ٹھوکریں کھاتے پھریں گے۔ مسلمانوں نے دنیا پر تقریباً 1000 سال تک حکومت کی ہے۔ جس وقت مسلمانوں کی دنیا پر حکومت تھی اُس وقت پورا یورپ تاریک دور سے گزر رہا تھا۔ اس وقت مسلمان درحقیقت اپنے نظریہ پر قائم تھے اور وہ نظریہ تھا اللہ اور اُس کے رسول کی محبت اور اس کے دین کی حکمرانی۔ اگر آج ہم قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو آپ کو جگہ جگہ اپنی داستان رقم ہوتی ہوئی ملے گی۔ اللہ پاک فرماتا ہے ''اگر تم شکر گزار بنو گے تو میں تمہیں اور عطا کروں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔'' جس کی ایک بڑی مثال ہمیں قرآنِ پاک میں قوم صبا کی ملتی ہے۔ ہم بھی ناشکری کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ہمارے تمام مسائل کی جڑ حقیقت میں اللہ کے ساتھ دھوکا دہی ہے۔ ہم اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے وفادار نہیں بن سکے۔ لہٰذا معاشرتی، معاشی اور سیاسی آزادی کے لیے ہمیں اللہ تعالیٰ کی غلامی اختیار کرنی پڑے گی۔

سوال: بانئ پاکستان قائداعظم کے بارے میں بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ اُن کا مقصد محض مسلمانوں کے لیے ایک ملک حاصل کرنا تھا نہ کہ ایک اسلامی فلاحی ریاست۔ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟

ایوب بیگ مرزا: اگر تاریخ کا بغور جائزہ لیا جائے تو ریاست مدینہ سے لے کر 1947ء تک ہمیں اسلام کی بنیاد پر کوئی بھی ملک معرضِ وجود میں آتا ہوا نظر نہیں آتا۔ ریاست مدینہ کے بعد تاریخ میں پاکستان واحد ملک ہے جو اسلام کے نام پر بنا۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ قائداعظم کا مقصد محض مسلمانوں کا ملک بنانا تھا تا کہ مسلمانوں کا معاشی استحصال نہ ہو سکے، تو میرا سوال پھر وہی ہے کہ معاشی استحصال سے بچنے والی قوم کا مذہب کیا تھا۔ اُن کا مذہب اسلام تھا اور ملک بنانے کا مقصد یہی تھا کہ مسلمانوں کا ایک علیحدہ اسلامی ملک ہو جو نہ صرف اُن کے اسلامی تشخص کی پہچان بن سکے بلکہ وہ ہندوؤں کے ہاتھوں مسلمانوں کے معاشی استحصال سے بھی چھٹکارا پا سکیں۔ کیونکہ پانچ صوبوں پر بننے والی اس مملکت کے لوگوں میں سوائے اسلام کے کسی بھی قسم کی مماثلت نہیں پائی جاتی تھی۔ رہن سہن، رسوم و رواج اور بود و باش کے حوالے سے ان صوبوں کے لوگوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ لہٰذا مقصد یہی تھا کہ ایک آزاد و اسلامی فلاحی ریاست بنائی جائے جہاں تمام قومیں رنگ و نسل اور زبان و تہذیب سے بالاتر ہو کر اسلامی اُصولوں کے تحت اپنی زندگیاں گزار سکیں۔

سوال: تقسیم ہند کے موقع پر اس وقت کے بعض نامور علماء اور مخلص دانشوروں نے قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ آپ کے خیال میں اُن کی مخالفت کی بنیادی وجہ کیا تھی، اور آج پاکستان کو جو حالات درپیش ہیں اُن کی بنا پر کیا یہ کہا جا سکتا ہے اُن لوگوں کے خدشات صحیح تھے؟

ایوب بیگ مرزا: آپ کا سوال نہایت اہم ہے۔ میں یہاں یہ نہیں کہتا کہ ان کا نقطہ نظر صحیح تھا یا غلط، کیونکہ اُن میں بعض لوگ مسلمانوں کے انتہائی مخلص اور ہمدرد تھے بنیادی طور پر فرق صرف نقطہ نظر کا تھا۔ مسلم لیگ نے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ ملک بنا کر حقیقت میں مسلمانوں پر ایک احسانِ عظیم کیا تھا۔ آج ملک پاکستان کے حالات انتہائی مخدوش ہونے کے باوجود میں واشگاف الفاظ میں یہ کہوں گا کہ پاکستان بننے کا فیصلہ بالکل درست تھا۔ لیکن ہمارے ہاں ایک بڑی غلط روش پائی جاتی کہ جس شخص کا بھی آپ کے نظریہ سے میل نہ کھاتا ہو، آپ اُسے دین اور مسلمانوں کا غدار کہنا شروع کر دیں، یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ تحریک پاکستان کے مخالف علماء کرام میں مولانا حسین احمد مدنیؒ، اور مولانا ابو الکلام آزادؒ کا نام

سرِفہرست ہے۔ یہ لوگ اگرچہ تقسیم ہند کے خلاف تھے لیکن مسلمانوں کے انتہائی مخلص تھے۔ ان لوگوں کا یہ نظریہ تھا کہ اگر پاکستان بن گیا تو مسلمانوں کی قوت دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گی اور ہم پھر ہندوؤں کا مقابلہ ہرگز نہ کر سکیں گے۔ ابوالکلام آزاد نے فرمایا تھا کہ ''اگر پاکستان بن گیا تو پاکستان میں اسلام نہیں آئے گا اور ہندوستان میں مسلمان نہیں بچ پائے گا۔'' یعنی مولانا ابوالکلام آزاد کے بقول مسلمانوں کا دوہرا نقصان ہوگا۔ وہ مسلمانوں کے لیے مخلص تھے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کا بھلا اِسی میں ہے کہ ہندوستان تقسیم نہ ہو۔ اگر آج ہم حقیقت کی نگاہ سے دیکھیں تو اُن کی پیش گوئی درست ثابت ہوگئی۔ کیا پاکستان میں کبھی اسلام نافذ ہوا؟ اپنے مذہب اور روایات کو بچانے کے سلسلے میں ہندوستان کے مسلمان ہم سے بہت بہتر ثابت ہوئے ہیں۔ پاکستان میں 1962ء میں صدرِ ایوب خان نے وہ عائلی قوانین نافذ کیے جنھیں تمام مکاتب فکر کے علماء نے غیر شرعی قرار دیا تھا۔ ان قوانین کو نافذ ہوئے آج 50 سال ہوگئے مگر وہ آج بھی جوں کے توں قائم ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہندوستان میں مسلمانوں کے عائلی قانون میں معمولی سی ترمیم کرنے کی کوشش کی گئی جس پر وہاں کے مسلمانوں نے اتنی زبردست تحریک چلائی کہ ہندوستان کے وزیراعظم راجیو گاندھی کو وہ ترمیم نہ صرف واپس لینی پڑی تھی بلکہ ان کا یہ بیان آن ریکارڈ ہے کہ میں نے مسلمانوں کے عائلی معاملات کو پہلے نہیں دیکھا تھا لیکن ''میں یہ دیکھ کر حیران ہوا ہوں کہ اسلام نے عورتوں کو جو حقوق دیئے ہیں وہ کسی اور مذہب نے نہیں دیئے ہیں۔ لہٰذا آئندہ سے مسلمانوں کے شرعی معاملات میں کسی بھی قسم کی مداخلت نہ کی جائے۔'' اس مثال سے یہ ثابت ہوا کہ ہماری نسبت ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنے دین کا بہتر تحفظ کیا ہے۔ اسی طرح ایک صاحب پاکستان سے مولانا حسین احمد مدنیؒ سے ملنے ہندوستان گئے اور اُن سے کہا کہ آپ ہندوستان میں کیوں ٹھہرے ہوئے ہیں، پاکستان کیوں نہیں جاتے، اگر آپ پاکستان نہیں جاتے تو میں بھی اب ہندوستان میں ہی مستقل قیام کروں گا۔ اس پر مولانا حسین مدنیؒ نے اُس شخص کو سختی سے روکا اور فرمایا ''پاکستان ایک مسجد ہے اور تم لوگوں کا اب یہ فرض ہے کہ اُس کا تحفظ کرو۔'' آپ اُن کے الفاظ پر غور کریں کہ اُنھوں نے پاکستان کو ایک مسجد قرار دیا تھا۔ اور آج ہم نے اُس مسجد کا کیا حال کر دیا ہے۔ لہٰذا اصل قصور پاکستان میں بسنے والے لوگوں کا ہے جنہوں نے پاکستان کا یہ حال کیا ہے۔ پاکستان خالصتاً اسلام کی بنیاد پر بنا تھا۔ 1937ء اور 1946ء میں برصغیر میں جو انتخابات ہوئے تھے اُن کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ مسلم لیگ کو 1937ء کے انتخابات میں ناکامی ہوئی تھی جبکہ 1946ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کامیاب ہوئی تھی، لہٰذا پاکستان کا بننا یقینی ہو گیا تھا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ 1946ء سے زیادہ 1937ء کے انتخابات نے پاکستان کو بنانے میں بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ اس لیے کہ ان انتخابات میں کانگریس نے ملک کے 11 صوبوں میں کامیابی حاصل کی تھی۔ اس کامیابی پر کانگریسی لیڈر اس قدر نازاں تھے کہ انہوں نے ملک میں کسی دوسری سیاسی قوت کے وجود کو تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا۔ کانگریس کے صدر پنڈٹ جواہر لعل نہرو نے یہاں تک کہہ دیا کہ ''ہندوستان میں اس وقت صرف دو پارٹیاں ہیں۔ ایک کانگریس اور دوسری برطانوی حکومت۔'' مسلم لیگ کو توقع تھی کہ بعض صوبوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کے لیے اُن کے منتخب ارکان کو بھی صوبائی کابینہ میں شامل کیا جائے گا، لیکن کانگریس نے مسلم لیگ کے ساتھ مشترکہ کابینہ بنانے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ برطانوی پارلیمانی نظام میں اس قسم کی مشترکہ کابینہ سازی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اِس طرح کانگریس نے نہ صرف مفاہمت کے تمام دروازے بند کر دیے بلکہ متحدہ ہندوستان کے فلسفے کو بھی چولیں ہلا دیں اور مسلمانوں کے لیے جداگانہ وطن کے قیام کے نظریہ پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔ چنانچہ مسلمانوں کے اندر اپنے علیحدہ تشخص کے لیے جدوجہد کی لہر دوڑ گئی تھی اور انہوں نے یہ حتمی فیصلہ کر لیا تھا کہ جب تک ہم اپنا علیحدہ ملک حاصل نہیں کر لیں گے تب تک ہمارا تحفظ ممکن نہیں ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے 65 سال گزرنے کے باوجود پاکستان میں اسلام نافذ نہیں ہو سکا۔ اسلام سے انحراف کا نتیجہ ہے کہ آج ہم مختلف قوموں اور نسلوں میں تقسیم ہو کر ایک دوسرے کو ہلاک کر رہے ہیں۔ پنجابی، سندھی، بلوچی اور پٹھان میں تقسیم ہو کر ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بن رہے ہیں۔ یہ سلسلہ اُس وقت تک چلتا رہے گا جب تک اپنی اصل اساس اسلام کی طرف نہ آئیں گے اور یہ تسلیم نہ کریں گے کہ ہم مسلمان ہیں اور صرف مسلمان، اور پاکستان کے شہری ہیں۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

سوال: مصائب اور مشکلات میں گھرے اور اندرونی و بیرونی سازشوں کے شکار پاکستان کا مستقبل آپ کیسا دیکھتے ہیں؟

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: اگر معروضی حالات کو دیکھیں تو یہی لگتا ہے کہ پاکستان ایک ناکام ریاست میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے۔ اس حوالے سے مختصر طور پر قرآن مجید کی تین آیات مبارکہ کا حوالہ دوں گا۔ سورۃ انفال میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (ترجمہ) ''جب تم زمین میں کمزور تھے اور دبا لیے گئے تھے اور تمہیں یہ خوف تھا کہ لوگ تمہیں کہیں اُچک نہ لیں تو ہم نے تمہیں ٹھکانہ مہیا کیا اور خاص اپنی جانب سے تمہاری مدد کی اور تمہیں پاکیزہ رزق عطا کیا، تاکہ تمہیں آزمائیں کہ تم کتنا شکر ادا کرتے ہو۔'' لیکن ہم نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی ناشکری کی ہے۔ اسی طرح سورہ توبہ آیت 77 میں ہے (ترجمہ) ''تو اللہ نے اس (وعدہ خلافی) کا انجام یہ کیا کہ اس روز تک کے لیے جس میں وہ اللہ کے روبرو حاضر ہوں گے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا اس لیے کہ انھوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔'' ہم نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر ہمیں الگ خطہ زمین عطا فرما دے تو ہم اُس میں تیرا دین نافذ کریں گے مگر ہم نے وعدہ خلافی کی۔ آپ دیکھ لیں کہ آج من حیثیت القوم ہماری روش منافقانہ ہے۔ سب سے بڑھ کر ہماری موجودہ صورتِ حال کی جو آیت مبارکہ عکاسی کرتی ہے وہ سورۃ النمل کی آیت 112 ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کا ذکر فرمایا ہے کہ جو بڑے امن و آشتی کے ساتھ زندگی گزار رہی تھی۔ اُسے ہر جگہ سے وافر رزق پہنچ رہا تھا۔ پھر اُس نے اللہ تعالیٰ کے احسانات اور نعمتوں کی ناشکری کرنا شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے اُس قوم کو بھوک اور خوف میں مبتلا کر دیا۔ آج ہم معاشی اور سیاسی طور پر بالکل اُس نہج پر آ چکے ہیں جس کا بیان اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں فرمایا ہے۔ علامہ اقبال نے فرمایا کہ ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

ہم قرآن مجید کو چھوڑ کر ذلیل و خوار ہو گئے ہیں اور شکوہ ہم گردش زمانہ کا کرتے ہیں کہ حالات ایسے ہو گئے ہیں۔ ہماری بغل میں وہ کتاب ہے جو ایک زندہ معجزہ ہے۔ اگر ہم اس کتاب پر عمل کریں تو اللہ تعالیٰ ہمارے لیے زمین کے نیچے سے اور اوپر (آسمان) سے بھی اپنی برکات نازل کرے گا۔ اسی طرح اگر ہم آج اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ ختم کر دیں یعنی اُس سودی نظام کا خاتمہ کر دیں جو ہم نے اس ملک خداداد میں نافذ کر رکھا ہے تو ان شاء اللہ ہم دوبارہ ترقی و سربلندی کی جانب محو پرواز ہو جائیں۔ جس قوم میں اتنا جذبہ ہو کہ پوری دنیا کی مخالفت کے باوجود ایٹم بم بنا لے وہ اپنی معاش اور معاشرت بھی بخوبی درست کر سکتی ہے۔

☆☆☆

برصغیر پاک و ہند میں دروس قرآن کا سلسلۃ الذہب

چند گزارشات

از عبدالرشید عراقی

مکرم ومحترم ایڈیٹر صاحب
ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
اُمید ہے آپ کے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

ندائے خلافت شمارہ نمبر 28 میں محترم قاری عبدالقیوم صاحب کا مضمون ''برصغیر پاک و ہند میں دروس قرآن کا سلسلۃ الذہب از شاہ ولی اللہ تا ڈاکٹر اسرار احمد'' شائع ہوا ہے۔ موضوع کے اعتبار سے مضمون بڑا جامع اور لائق مطالعہ ہے۔

محترم مضمون نگار نے لاہور میں دروس قرآن کے حلقوں میں مولانا عبدالواحد غزنویؒ کا مسجد چینیاں والی میں درس قرآن، مولانا محمد حنیف ندوی کا مسجد مبارک اہلحدیث اسلامیہ کالج ریلوے روڈ میں درس قرآن، اور خواجہ عبدالحیٔ فاروقیؒ کے درس قرآن کا ذکر نہیں کیا۔ اور یہ دروس قرآن سالہا سال تک جاری رہے۔ اسی طرح پاکستان کے دوسرے شہروں میں حلقہ ہائے دروس میں گوجرانوالہ میں شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی، شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ اور شیخ الحدیث حافظ عبدالمنان نور پوری کے دروس قرآن کا ذکر نہیں کیا۔ کراچی، سیالکوٹ، ملتان، مظفر گڑھ حیدر آباد، وغیرھم شہروں کے دروس قرآن کا تذکرہ کیا ہے، لیکن فیصل آباد میں حافظ مسعود عالم صاحب کے درس قرآن، جھنگ میں مولانا عبدالعلیم یزدانی کا درس قرآن، وغیرہ کا ذکر نہیں ہوا۔

معلوم نہیں کہ محترم مضمون نگار سے سہو ہو گیا ہے یا عمداً ذکر نہیں کیا۔

والسلام
عبدالرشید عراقی

(اس اضافہ پر ہم مکتوب نگار کے شکر گزار ہیں۔ ادارہ)

☆☆☆☆☆

اسلام میں محنت کشوں کے حقوق کو اجاگر کرتے رہیے

خورشید احمد

محترم حافظ عاکف سعید صاحب
مدیر مسئول ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' لاہور
السلام علیکم!

اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے رفقاء کو بدستور ملک وملت، انسانیت اور دکھی عوام کی خدمت کرنے کی توفیق دے اور سچائی وانصاف کی سربلندی کے نیک مشن کی تبلیغ میں کامیاب فرمائے۔ (آمین)

آپ کا موقر ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' باقاعدگی سے موصول ہو رہا ہے۔ اس کے روح پرور مضامین سے ہم مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ آپ براہ کرم اسلام میں محنت کشوں کی فلاح وبہبود کی اہمیت واضح فرماتے رہا کریں۔ اپنے رفقاء کو میرا اسلام پہنچا دیں۔

والسلام
خورشید احمد
جنرل سیکرٹری
پاکستان ورکرز کنفیڈریشن

تنظیم اسلامی نوشہرہ کے زیر اہتمام اجتماعات بابت استقبال رمضان 2012ء

17 جولائی 2012 کو بلال مسجد ASC کالونی نوشہرہ میں محترم علم دین جو ہمارے قریبی احباب میں سے ہیں کے تعاون سے استقبال رمضان پروگرام ہوا اور انہی کی خواہش پر ڈاکٹر حافظ محمد مقصود کو مردان سے خصوصی طور پر اس پروگرام میں ''روزہ کی حقیقت'' ے موضوع پر درس دینے کے لیے مدعو کیا گیا۔ اس اجتماع میں 5 رفقاء اور 30 احباب نے شرکت کی۔ اس کے علاوہ مولانا انور حقانی نے بھی جو بلال مسجد بدرشی گاؤں کے خطیب اور جماعت اسلامی نوشہرہ کی فہم قرآن کلاسز کے مہتمم و مدرس ہیں، اس اجتماع میں شرکت کی۔

15 جولائی کو ملتزم رفیق ڈاکٹر وقار الدین کے گاؤں شیدو میں ''روزہ کی حقیقت'' کے موضوع پر ڈاکٹر حافظ محمد مقصود نے درس دیا۔ اس اجتماع میں 5 رفقاء اور تقریباً 35 احباب نے شرکت کی۔ 15 جولائی کو صبح 10 تا 12 بجے الہدیٰ سکول اینڈ کالج نوشہرہ میں اُسرہ خواتین کے زیر اہتمام استقبال رمضان پروگرام منعقد ہوا۔ اس پروگرام کے لیے درس دینے والی رفیقات کو خصوصی طور پر پشاور سے مدعو کیا گیا تھا۔ ''روزہ کی حقیقت'' کے موضوع پر بنت حاجی خدا بخش صاحبہ نے درس دیا۔ زوجہ بلال احمد صاحبہ نے نعت رسول مقبولؐ سنائی اور ''قربانی'' کے موضوع پر اُمِ شعیب نے درس دیا۔ اس پروگرام میں تنظیم اسلامی کی مطبوعات کا سٹال بھی لگایا گیا تھا جس سے شرکاء نے استفادہ کیا۔ پروگرام میں 8 رفیقات اور 10 دیگر خواتین نے شرکت کی۔

16 جولائی کو بعد نماز مغرب ملتزم رفیق محمد حامد کے گاؤں خویشگی میں ''روزہ کی حقیقت'' کے موضوع پر قاضی فضل حکیم نے وائٹ بورڈ کی مدد سے بیان کیا۔ اس اجتماع میں 6 رفقاء اور تقریباً 20 احباب نے شرکت کی۔

19 جولائی کو بعد نماز عصر الہدیٰ سکول اینڈ کالج میں ''روزہ کی حقیقت'' پر قاضی فضل حکیم نے وائٹ بورڈ کی مدد سے مفصل خطاب کیا۔ اس پروگرام میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی کتاب ''تزکیہ نفس'' سے ''روزہ اور برکات روزہ'' کے موضوع پر چند صفحوں پر مشتمل کتابچہ تیار کر کے شرکاء میں تقسیم کیا گیا۔ اس اجتماع میں 14 رفقاء اور تقریباً 25 احباب نے شرکت کی۔ سٹال بھی لگایا گیا تھا، جس سے شرکاء نے بھرپور استفادہ کیا۔ (مرتب: جان نثار اختر)

حلقہ مالاکنڈ کے تحت دس روزہ دعوتی مہم

حلقہ مالاکنڈ کے تحت گرما کی تعطیلات کے دوران 5 تا 15 جولائی دعوتی مہم چلائی گئی۔ رمضان المبارک کی وجہ سے اس مہم کا دورانیہ مختصر رکھا گیا۔ اس دوران بڑی تعداد میں لوگوں تک دین متین کا پیغام پہنچایا گیا۔ مقامی لوگوں نے دعوتی مہم میں دلچسپی لی اور ہر پروگرام میں ذوق وشوق سے شریک ہوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بات کی مزید ہمت عطا فرمائے کہ دین کا جامع پیغام سب لوگوں تک پہنچائیں اور اسلامی نظام کے اثرات ونتائج سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ اس مہم کے دوران چالیس مساجد، پانچ سکولوں اور تین رہائش گاہوں میں عبادت رب، عظمت قرآن، توبہ کی عظمت، حقیقت ایمان اور منہج انقلاب نبویؐ کے موضوعات پر بیانات ہوئے، جن سے مجموعی طور پر 2613 افراد نے استفادہ کیا۔ دو مقامات پر فہم دین پروگرام بھی ہوئے۔ ان پروگراموں کے دوران شرکاء میں لٹریچر بھی تقسیم کیا گیا۔

مقامی رفقاء نے مہم کو کامیاب بنانے کے لیے بھرپور محنت کی۔ احباب نے بھی ہر ممکن تعاون کیا۔ مقررین حضرات میں فیض الرحمٰن، حبیب علی، محمد نعیم، احسان اللہ، عبید اللہ اور حضرت نبی محسن شامل تھے۔ انہوں نے ہر جگہ بروقت پہنچ کر بڑے خلوص، محنت اور جانفشانی سے موضوع کا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔ دعا ہے کہ اس مہم میں جن حضرات نے جان، مال اور وقت کی قربانی پیش کی، اللہ تعالیٰ ان سب کو اجر عظیم عطا فرمائے اور اپنی رضا سے نوازے۔ (آمین) (مرتب: احسان الودود)

better by providing a mix of the elected representatives and the selected technocrats.

In the presidential system, the president is directly elected by the people. He is not obliged to his congressman for his term in office, nor is there any concept of coalition partners, who generally impede good governance. And he cannot be voted out through a no-confidence vote. Thus, the chances of the chief executive being blackmailed in the presidential form of government are far less.

The president selects a team of highly qualified technocrats or professionals called the administration to run the government. No public representative (congressman) by law can become a member of the administration. Thus, it is run by thorough professionals with least political interference in the state institutions. The representatives only make laws for public good, and monitor the administration's performance and control the purse strings to ensure its prudent expenditure.

It may be noted that the presidential system is somewhat akin to the Islamic democratic system practised in the days of 'Khulfa-e-Rashdeen', where the affairs of the state were run by the 'Ameer-ul-Momineen' (president) with the help of handpicked experts (technocrats), while the Majlis-e-Shoora (like the Congress) kept an eye on the government's performance. We must admit the fact that our style of parliamentary democracy is nothing but a hoax - a far cry from the real democracy, both in letter and in spirit. It is most ill-suited to our circumstances and will never work for us till doomsday!

> "Allah does not change the destiny of a nation, unless it considers to do so itself." [*Al-Ra'd*; 13:11]

(*Courtesy: daily "The Nation"; slightly abridged for lack of space*)

رفقاء متوجه ہوں

ان شاءاللہ

قرآن اکیڈمی ڈیفنس کراچی میں

مبتدی تربیتی کورس

8 تا 14 ستمبر 2012ء

(بروز ہفتہ نماز عصر تا بروز جمعۃ المبارک 12 بجے تک)

کا انعقاد ہو رہا ہے، زیادہ سے زیادہ رفقاء اس میں شامل ہوں

اور

نقباء و امراء تربیتی و مشاورتی اجتماع

14 تا 16 ستمبر 2012ء

(بروز جمعۃ المبارک نماز عصر تا بروز اتوار ظہر تک)

کا انعقاد ہو رہا ہے، زیادہ سے زیادہ امراء و نقباء اس میں شامل ہوں،

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 021-34306041/0321-3205208

المعلن: **مرکزی شعبہ تربیت** (042)36316638-36366638 0333-4311226

دعائے مغفرت کی درخواست

- تنظیم اسلامی حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی (پنج پیر) کے منفرد سابقہ رفیق محمد سلیمان (جان اصغر کے بڑے بھائی) طویل علالت کے بعد وفات پا گئے
- مرکزی دفتر تنظیم اسلامی گڑھی شاہو لاہور کے کارکن ملتزم رفیق تنظیم سید حامد اللہ کی والدہ محترمہ کا انتقال ہو گیا
- حلقہ کراچی جنوبی کے بزرگ رفیق تنظیم اور انجمن خدام القرآن سندھ کراچی کے اساسی رکن جناب عبدالمجید شیخ کی اہلیہ گزشتہ دنوں وفات پا گئیں
- امیر تنظیم اسلامی جاتلاں حلقہ پنجاب پوٹھوہار ظفر اقبال کے ماموں انتقال فرما گئے
- حلقہ پنجاب پوٹھوہار کے ملتزم رفیق ممتاز الحسن کی والدہ انتقال فرما گئیں
- حلقہ پنجاب پوٹھوہار کے بزرگ رفیق تنظیم سید محمد آزاد کی ہمشیرہ انتقال فرما گئیں
- حلقہ پنجاب پوٹھوہار کے رفیق منشاء الرحمٰن خان انتقال فرما گئے

اللہ تعالیٰ مرحومین و مرحومات کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ رفقاء اور قارئین سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اللّٰھم اغفرلھم وارحمھم وادخلھم فی رحمتك وحاسبھم حسابًا یسیرًا

Air Chief Marshal (R) Khursheed Anwar Mirza

THIS SYSTEM WILL NOT WORK FOR US

Democracy was well defined as "the government of the people, by the people and for the people" by President Abraham Lincoln. Unfortunately, Pakistan's history of governance can be summed up as "the government of the elites, by the elites and for the elites", where the waderas, the chaudhries, the sardars, and the industrialists ruled the roost - mostly misusing their authority and indulging in graft with impunity. The khakis intervened from time to time to "stem the rot", but soon became party to the corrupt system when they tried to prolong their rule by joining hands with the politicians.

After 65 years of "see-saw" between the 'failed' civil and military governments, it should have become abundantly clear that the so-called parliamentary system of governance, supposedly based on the British Westminster Model, will never work for us because of our peculiar circumstances, psyche and inherent shortcomings in the body politic.

The electoral lists may contain a large number of fictitious voters, as was the case in the last general elections (nearly 40 percent bogus votes were cast). On top of that, there is generally low turnout (around 30 percent). Thus, the basic premises on which the entire edifice of democracy rests, i.e. the discerning polity and majority casting their votes, does not hold good in our case. As a result, our elected representatives do not actually represent the voice of the majority.

In addition, there are other serious drawbacks in our parliamentary system of governance. For instance, the prime minister or chief minister is elected indirectly by the MNA's or MPA's, who demand their "pound of flesh". Thus, the PM/CM is forced to oblige them with ministries, development funds or plots (unlike any other properly functioning democracy in the world). For example, during this government, we saw nearly 90 ministers and advisors appointed at the federal level and almost all of Balochistan's MPA's as ministers. Thus, the taxpayers' money is squandered away and huge debt is piled up just to meet the lavish running expenditure, leaving little for development or social uplift of the masses.

Perhaps, the most serious drawback of the parliamentary system is that the cabinet ministers, who run the government, are chosen from amongst the elected parliamentarians. Since the elected representatives are obliged to their supporters, they stuff the public departments and corporations with their cronies, mostly without merit and in violation of the law. Over the years, thus, most of our public entities had been paralysed through political interference. The police is a glaring example of an utterly failed public institution. The public sector entities, like the Steel Mill, PIA, and Railways, also have virtually collapsed and are a constant drain on public funds that could otherwise be put to better use.

The question is: where do we go from here? While we must stick to the democratic form of governance, we must opt for a system that has the maximum chances of succeeding in spite of our endemic shortcomings, of both the polity and the public representatives. Against this backdrop, the presidential system of governance - like that in the US - would work

داخلے جاری ہیں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
کے زیر اہتمام

(پارٹ I اور II)

رجوع الی القرآن کورسز

یہ کورسز بنیادی طور پر تعلیم یافتہ افراد کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں' تاکہ وہ حضرات جو کم از کم انٹرمیڈیٹ کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' ان کورسز کے ذریعے ان کو ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے۔ ہفتے میں پانچ دن روزانہ صبح کے اوقات میں تقریباً پانچ گھنٹے تدریس ہوگی۔ ہفتہ وار تعطیل ہفتہ اور اتوار کو ہوگی۔

نصاب (پارٹ I)

1. عربی صرف ونحو
2. ترجمۂ قرآن
3. آیاتِ قرآنی کی صرفی ونحوی تحلیل
4. قرآن حکیم کی فکری وعملی راہنمائی
5. تجوید و ناظرہ
6. مطالعۂ حدیث و فقہ العبادات
7. اصطلاحاتِ حدیث
8. اضافی محاضرات

نصاب (پارٹ II)

1. مکمل ترجمۃ القرآن (مع تفسیری توضیحات)
2. مجموعۂ حدیث
3. فقہ
4. اصولِ تفسیر
5. اصولِ حدیث
6. اصولِ فقہ
7. عقیدہ
8. عربی زبان وادب
9. اضافی محاضرات

- اس سال کلاسز کا آغاز 10 ستمبر سے ہوگا
- داخلہ کے خواہشمند خواتین وحضرات 8 ستمبر کو صبح دس بجے انٹرویو کے لیے قرآن اکیڈمی تشریف لائیں
- پارٹ II میں خواتین کی شرکت کا انتظام نہیں ہے

یاد رہے کہ انٹرویو اور کلاسز کے آغاز کی تاریخیں یکم اور 3 ستمبر سے تبدیل کر کے بالترتیب 8 اور 10 ستمبر کی گئی ہیں

نوٹ:
پارٹ I میں داخلے کے لیے انٹرمیڈیٹ پاس ہونا اور پارٹ II میں داخلے کے لیے رجوع الی القرآن کورس (پارٹ I) پاس کرنا لازمی ہے

برائے رابطہ: **قرآن اکیڈمی**
36-K ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 3-35869501
email:irts@tanzeem.org

ندیم سہیل
0322-4371473